جوک در جوک

ڈاکٹر محمد یونس بٹ

۱۹۹۴ء

- ح - - - رام

"ہفت روزہ" "السٹر یٹیڈو یکلی" میں انڈین نیشنل کمیشن آن دی ہسٹری آف سائنس کے ممبر اور انڈین اسٹروفزکس ایسوسی ایشن کے چیئر مین پروفیسر راجیش کوچر نے کہا ہے کہ رام کی جنم بھومی اجودھیا دراصل افغانستان میں ہے۔ ہم اس پر (ح۔رام) ہی کہ سکتے ہیں۔ جیسے جب ممتاز دولتانہ وزیر اعلیٰ تھے ان دنوں چراغ حسن حسرت صاحب نے انگریزی الفاظ کو اردو میں منتقل کرنے کے لیے کہا تھا اب جو انکم ٹیکس دینے جارہا ہو کہے' میں "دولتانہ" دینے جارہا ہوں۔ ایسے ہی ہم نے "Hey! Ram" کو اردو میں (ح۔ ۔ ۔رام) کہا ہے۔

ہم تاریخ کے لاجواب طالب علم رہے ہیں جب بھی کوئی سوال پوچھا جاتا ہمارا جواب "لا" میں ہوتا' لیکن رام جی کے بارے میں ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا ہندو جانتے ہیں یعنی کچھ نہیں جانتے۔ ہندوؤں نے تو ابھی رام جی کی پیدائش کا فیصلہ نہیں کیا' اگرچہ انہیں اب زیادہ دیر نہیں کرنا چاہیے رام جی کو پیدا کرلینا چاہیے۔ ویسے مختلف پنڈتوں کے تخمینوں کے مطابق رام کی پیدائش کے سال میں کوئی زیادہ فرق نہیں' بس کوئی ایک دو ہزار سال کا فرق ہوگا۔ سنا ہے رام جی جب پیدا ہوئے تو ان کی عمر نو ماہ تھی۔

ہم نے ایک پنڈت سے پوچھا وہ کس کے بیٹے تھے؟ کہا اپنے ہی باپ کے بیٹے تھے' بہرحال سب یوگی "گائے بگائے" اس پر متفق ہیں کہ رام جی پیدا ہوئے تھے۔ اگر وہ کہتے کہ وہ سیتا کی طرح ہل کے پھل کے ساتھ زمین سے نکلے تھے تو ہم کیا کرلیتے۔

ہندو بڑی سیلف میڈ قوم ہے ان کا مذہب الہامی نہیں اوہامی ہے' جب 1981ء میں مردم

شماری کے موقع پر سر ڈنزل ایسٹن ناظم مردم شماری کو سمجھ نہ آئی کہ ہندو کون ہوتے ہیں تو اس کے وہ باشندے جو کسی متعین مذہب یا عقیدے میں نہ آتے تھے' انہیں وغیرہ وغیر کی بجائے ہندو درج کرنا شروع کردیا۔ ہم مانتے ہیں ہندو واقعی بڑا پرانا مذہب ہے' ان کے بت دیکھ کر تو لگتا ہے یہ اس وقت کا ہے جب ابھی انسان نے کپڑے پہننے بھی شروع نہیں کیے تھے۔ ویسے دیوی دیوتاؤں کے بت ایسے ہیں کہ اگر ان میں اسی طرح جان پڑ جائے تو تمام حدود آرڈیننس کے تحت دھر لئے جائیں پچھلی چند صدیوں سے دیوی دیوتاؤں کی تعداد لاکھوں سے کروڑوں میں ہو گئی ہے ہو سکتا ہے ان کی افزائش نسل پر کنٹرول کے لئے بھی محکمہ منصوبہ بندی کی ضرورت پڑے۔ ہمارے ہاں دو خدا ہیں ایک حقیقی خدا اور دوسرا مجازی خدا' لیکن مہا بھارت میں تو مجازی خدا بھی کئی کئی ہوتے' دروپدی پانچ پانڈوؤں کی بمع شرکت غیرے بیوی تھیں۔ ہندوؤں کا ہر کام کرنے کے لئے الگ دیوتا ہے بلکہ کام نہ کرنے کے لیے بھی الگ دیوتا ہے۔ اتنے زیادہ خدا ہیں کہ پوچھنا پڑتا ہے اس وقت آن ڈیوٹی کون ہے؟

رامائن ان کی مذہبی کتاب ہے ایک پنڈت نے رامائن کا نسخہ دکھایا جس سے کچھ پڑھا نہ جاتا تھا۔ دیکھنے والے نے پوچھا پنڈت جی یہ تو پڑھا ہی نہیں جارہا' تو پنڈت بولے یہ بہت پرانا نسخہ ہے۔ یہ تب کا ہے جب ابھی پڑھنا لکھنا شروع نہیں ہوا تھا۔ ایک اور نسخہ دکھایا جس پر کچھ لکھا نظر نہیں آرہا تھا۔ تو دیکھنے والے نے کہا پنڈت جی لگتا ہے یہ تب کا ہے جب ابھی لکھنا شروع نہیں ہوا تھا۔ رامائن کے مطابق رام جی کو 12 برس کا بن باس ملا تو بھائی بھرت نے ان کی جانے ہوئے کھڑاواں تھی اتروالیں' تاکہ رام جی کو دیکھنے کو جب من چاہے تو وہ ان کو دیکھ کر خوش ہولیا کرے۔

جنگل میں رام کی پتنی سیتا کو راون نے رام کرنے کی کوشش کی' پھر راون اور رام کے درمیان ایسا گھمسان کا رن پڑا جیسا دوسرے کے موقع پر پڑتا ہے۔ آپ پوچھیں گے راون اور رام کی اس جنگ میں کون جیتا' تو اس کا جواب ہے "بندر" اسی لئے

ہندو بندر کو ہنومان جی کہہ کر اس کی پوجا کرتے ہیں۔
ہمارے ایک مشہور شاعر نے بھی کہا کہ میری تو ہندوستان میں پوجا ہوتی ہے تو ہم نے

کہا تھا کسی کو مت بتانا' پتہ نہیں لوگ آپ کو کیا سمجھیں۔ آج کل وہاں جن دیویوں
کی سب سے زیادہ پوجا ہو رہی ہے ان میں سری دیوی بہت مقبول ہے۔
آریہ فرقے کے معروف عالم راجہ پنڈت ھرکش کول نے ہندو مذہب کی تعریف یہ کی
ہے' کہ وہ گائے کا احترام کرتے ہیں۔ یہ مذہب گائے کے چار پاؤں پر کھڑا ہے۔
انگریز بھی گائے کا اس قدر احترام کرتے کہ اسے بیل کا میم صاحب کہہ کر بلاتے۔
گائے سے ہندوؤں کا وہی رشتہ ہے جو گائے کا بچھڑے سے ہے۔ ہمارے لئے تو گائے
اللہ کا بنایا ہوا ٹیڑا پیک ہے جس میں عمر بھر دودھ تازہ رہتا ہے' یا گائے گھاس کو
دودھ میں تبدیل کرنے کا پلانٹ ہے' لیکن ہندو مذہبی رہنمائی کے لے گاہے بگاہے گائے
کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جیسے اخفش نامی بزرگ جنھوں نے شاعری کے اوزان اور
بحریں مقرر کیں ایک بکری رکھتے تھے۔ ابن انشا کہتے ہیں بکرا تھی' بہرحال اخفش صاحب
سارا دن اس کے سامنے فعالن' فعالات کرتے رہتے جہاں شک ہوتا بکری سے پوچھ لیتے'
اگر وہ دائیں بائیں سر ہلاتی تو سمجھتے غلطی ہو گئی ہے۔ البتہ اوپر نیچے سر ہلاتی تو مطلب
ہاں میں ہاں ملانا ہوتا۔ اس بکری کا اردو شاعری پر بڑا احسان ہے کہ وہ اخفش صاحب
کے تین شعری مجموعے کھا گئی۔ ایسے ہی جب گپتا خاندان کے راجہ بکر ما جیت نے
رامائن سے متاثر ہو کر سوچا کہ رام جی کا شہر اجودھیا تلاش کرنا چاہیے اس نے یوگیوں
سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا یہ کام تو کسی سیانے کے ذمہ لگانا چاہئے۔ یوں یہ ذمہ
داری گائے اور بچھڑی کو سونپی گئی۔ کہا گیا جہاں جا کر بچھڑی کا شیر دان بھر جائے
گا اور اس سے دودھ بہنے لگ گا وہ جگہ اجودھیا اور رام جنم استھان ہو گی۔ راستے میں
ایک بیل نے ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت کرنے کی کوشش کی' بہرحال ایک
شہر جس کا نام سکتیا تھا وہاں پہنچ کر بچھڑی کا شیر دان بھر آیا۔ یوں اس شہر کو اجودھیا
کہا جانے لگا۔ ویسے اس حساب سے راجہ بکر ماجیت کو بقر ماجیت کہنا چاہیے۔ ایسی ہی

کسی سیانی گئے نے نہیں بتایا کہ رام جنم استھان بابری مسجد کی جگہ ہے۔ اب راجیش کوچر نے کہا ہے ایودھیا افغانستان میں ہے لگتا ہے انہوں نے ہر ملک میں اپنی گائیں چھوڑ رکھی ہیں، اسی لئے ہم گائے کو ہمیشہ کھانے والی نظر سے دیکھتے ہیں۔

○○○

• MAD-ONA

سڈنی سمتھ نے کہا ہے کہ دنیا میں تین صنفیں ہیں مرد' عورت اور پادری۔ شاید اسی لئے ہم نے پتہ کرایا کہ میڈونا کی کتاب "سیکس" مرد زیادہ خرید رہے ہیں یا عورتیں تو جواب ملا "پادری۔"

میڈونا بیسٹ سیلر تو ہے ہی اب تو اس کی کتابیں بھی بکنے لگی ہیں۔ میڈونا وہ عورت ہے جسے بچی کا چہرہ لگا ہوا ہے مگر وہ پھر بھی نہیں بچی۔ اس کے خاندان کے بارے میں کئی برس پہلے ایک اخبار نے انکشاف کیا تھا کہ اس کا باپ تھرڈ کلاس ہوٹلوں میں گا کر اپنا پیٹ بھرتا ہے' جس پر میڈونا نے کہا مگر میرا ڈیڈ تو مر چکا ہے اخبار نے اگلے دن لکھا ہاں ڈیڈ تو مر چکا ہے مگر آپ کا باپ آج کل اسی طرح روزی کھا رہا ہے۔ سوتیلی ماں کی وجہ سے گھر سے بھاگنے کا قدم اٹھایا۔ کسی نے پوچھا آپ نے اتنا بڑا قدم کیسے اٹھایا؟ تو قدم اٹھا کر دکھاتے ہوئے بولی۔ "ایسے۔" اس کی ماں سوتن کو ایک تن نہ سمجھتی سو کسی کو اپنی سوتن بنانے کی بجائے خود کسی کی سوتن بن گئی۔ ایک وقت تھا جب میڈونا آسمان کی چھت کے نیچے ستاروں تلے راتیں گزارتی اگرچہ کچھ نامور ستاروں نے اس سے لا علمی کا اظہار کیاہے۔ اس کی عمر کا پکا پتہ نہیں البتہ ہماری ایک ادیبہ نے کہا ہے کہ میں میڈونا سے چھوٹی عمر کی ہوں اس کا تو سارا سر سفید ہے میرا تو ابھی آدھا سفید ہوا ہے۔ کہتی ہے میری مشابہت جتنی اداکارہ مارلن منرو سے ہے اتنی مارلن منرو کی اپنے ساتھ نہ تھی جے ایف کینیڈی جو بات دور دراز ممالک تک پہنچانا چاہتے وہ مارلن منرو کو بتا دیتے اخباروں کو اس لئے نہ بتاتے کہ ان کی سرکولیشن اتنی نہ ہوتی۔ مارلن منرو نے رائٹر آرتھر سے شادی کی جس کا نتیجہ جو نکلا ڈاکٹر اسے آرتھر ائٹس کہتے ہیں جب وہ سولہ برس کی تھی تو اپنی عمر Sexteen بتاتی۔ انجمن ہماری وہ اداکارہ ہے جسے آپ ایک فقرے میں نہیں سمو سکتے مگر میڈونا کو

ایک لفظ میں سمو سکتے ہیں وہ لفظ ہے! SEX۔ اگرچہ انجمن ایک پشت سے اداکارہ ہے مگر اس کی ایک پشت کئی پشتوں پر بھاری ہے ہمارے ایک پشتو فلموں کے فوٹو گرافر نے تو اسے کہا میڈم جس طرف سے میں نے آپ کی تصویر بنانا ہے اس طرف سے تو آپ کرسی پر بیٹھی ہوئی ہیں۔ میڈونا کہتی ہے جب میں اپنی ماں کے گھر پیدا ہوئی تو میری ماں گھر پر نہیں تھی۔ کب پیدا ہوئی؟ اسے یاد نہیں جس کی وجہ یہ بتاتی ہے کہ جب میں پیدا ہوئی تو بڑی چھوٹی تھی اس لیے یاد نہیں رہا۔ یہ گولڈن گرل جس شہر میں جائے اس شہر کے امراض دل کے ڈاکٹروں کی چاندی ہو جاتی ہے۔ اسے دنیا میں مشہور ہونے کے ہزاروں طریقے آتے ہیں جن میں سب سے باعزت طریقہ ایک ہی ہے۔ پوچھا "کونسا؟" کہا "پتہ نہیں" کہتی ہے مجھے کوئی نہیں سمجھا' مائیکل جیکسن سمجھا مگر وہ بھی غلط سمجھا۔ حالانکہ اگر وہ اسے غلط سمجھا تو پھر ٹھیک ہی سمجھا۔ ہمارے ہاں والد بیٹی کے گھر میں پیدا ہوتے ہی اس کی شادی کے بارے میں سوچنے لگتا ہے اس کے پیدا ہوتے ہی اس کا والد بھی شادی کے بارے میں سوچنے لگا۔ جی ہاں اپنی شادی کے بارے میں اس نے اپنے والد کو معاف نہیں کیا۔ کیونکہ عورت زخم تو معاف کردیتی ہے مگر خراشیں معاف نہیں کرتی۔ وہ اپنی حرکتوں سے کبھی کبھی عورت نہیں لگتی جس پر ہمیں اعتراض نہیں۔ اعتراض اس پر ہے کہ کبھی کبھی وہ اپنی حرکتوں سے عورت لگتی ہے۔ اس کا بلیک اینڈ وائیٹ کیسٹ بھی دیکھو تو رنگین نظر آتا ہے۔ فلم میں بھی کام کیا جس کی پبلسٹی کمپین ان الفاظ میں تھی "چھ ڈانسنگ گرلز چار خوبصورت کاسٹیومز میں "ذرا سی بات" پر گرم" ہو جاتی ہیں کہتے ہیں اندرا گاندھی ایسی آتش تھیں کہ فیروز گاندھی نے عشق میں ان کی اس لیے پوجا کی کہ وہ آتش پرست تھا۔ ہم بھی آتش پرست تھے مگر اب ناسخ کو بھی ماننے لگے ہیں۔ ناصح اور پادری ہمیشہ بوڑھے ہی ہوتے ہیں نہ بھی ہوں تب بھی بوڑھے ہی لگتے ہیں۔ سو پادری شاید اس لئے میڈونا کی کتاب پسند کر رہے ہوں کہ بڑھاپے میں بندہ اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ وہ تو برے

خیالات پر بھی کنٹرول نہیں کرسکتا۔ میڈونا خوش لباس بھی ہے۔ خوش لباس وہ ہوتی ہے جسے کے لباس سے دیکھنے والے خوش ہوں۔ وہ مسکرا کر انکم ٹیکس ادا کرتی ہے۔ ہم سمجھتے

تھے وہ پیسوں سے انکم ٹیکس ادا کرتی ہے۔ اس کی کتاب کے بعد اب مارکیٹ میں بری کتابوں کے لئے کوئی جگہ نہیں رہی ہر طرف اسی کی کتابیں ہیں۔ اس کتاب کے گھٹیا جعلی ایڈیشن بھی آگئے ہیں مگر ہمارے خیال میں اصلی ایڈیشن زیادہ گھٹیا ہیں کیونکہ زیادہ واضح ہیں۔ بہرحال ہمیں تو اس کتاب میں یہی خوبی نظر آتی ہے کہ اسے ان پڑھ حضرات بھی روانی سے پڑھ سکتے ہیں اس کتاب کی پروف ریڈنگ کرتے وقت پروف ریڈر میڈونا کو سامنے بٹھائے رکھتا۔ کہتا۔ اصل مسودے کے بغیر پروف ریڈنگ نہیں ہوسکتی۔ ویسے بھی ادب میں خواتین کی تحریر پر اس وقت نظر جاتی ہے جب ان کی تصویر دھند لا جائے اسی لئے نوشی گیلانی شعر سنا رہی ہو تو اسے ساتھ ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ میرے شعر بھی ملاحظہ فرمائیں۔

موسیقی میں ہمیں اگر کچھ بجانا آتا ہے تو وہ ہے بغلیں بجانا سو اس کا کیا بغل بجائیں۔ لیکن اتنی خبر ہے کہ پاپ میوزک سمجھنا بڑا مشکل ہے کہ اسے کند ذہن گا تو سکتا ہے سمجھ نہیں سکتا۔ میڈونا پاپ سنگر ہے یعنی پاپی سنگر ہے۔ ہم نے میڈونا کی کتاب نہیں پڑھی۔ بہرحال اتنا پتہ ہے کہ ایک فحش کتاب پڑھنے کے بعد آدمی کیا کرتا ہے؟ جی ہاں ایک اور فحش کتاب ڈھونڈنے لگتا ہے۔ البتہ پادریوں کی اس کتاب میں دلچسپی کی وجہ دلچسپ تو ہے مگر ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ پادریوں سے پوچھو "آپ کبھی میڈونا سے ملے" تو کہیں گے "ہم رش والی جگہوں پر نہیں جاتے عبادت گاہوں میں ہی رہتے ہیں۔" یہ ممکن ہے کتاب خرید کر وہ یہ جاننا چاہتے ہوں کہ اس کتاب میں کیا برائی ہے؟ تاکہ نوجوانوں کو اس برائی سے روک سکیں بہرحال ان کی رائے سے پہلے ہمیں ایک جاپانی ڈاکٹر کی رائے موصول ہوئی ہے جنہوں نے کتاب کے نسخے کے معاینے کے بعد میڈونا کیے لیے نسخہ تجویز کیا ہے ان کی تشخیص کے مطابق میڈونا دراصل MAD-ONA

ہے۔

○○○

- پروفیسر عجیب و امیر

شاعروں سے ہمیں ایک شکایت تو یہ ہے کہ وہ بڑے عجیب ہوتے ہیں اور یہی نہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ ساتھ غریب بھی ہوتے ہیں' یاد رہے یہاں غریب کا تصور وہ نہیں

جو "تیلی" عرب ممالک میں ہیں' وہاں غریب وہ کہلاتا ہے جس کے پاس ایک ہی گھر ایک ہی گاڑی اور ایک ہی بیوی ہو۔ بہرحال پروفیسر ڈاکٹر زاہد امیر صاحب ہمارے پہلے عجیب و امیر شاعر ہیں۔ جیسے اجمل نیازی صاحب کے چہرے پر ایسا صوفی پن (Pun) ہے کہ وہ پلے بوائے بھی پڑھ رہے ہوں تو لگتاہے کہ گرونتھ پڑھ رہے ہیں طاہر اسلم گورا صاحب ہمارے بڑے خوبصورت افسانہ نگار ہیں جسے اعتبار نہ آئے وہ دوسرے افسانہ نگاروں کی تصویریں دیکھ لے۔ ایسے ہی ڈاکٹر زاہد امیر صاحب کے چہرے پر اتنی ڈاکٹری ہے کہ وہ شاعری بھی سنا رہے ہوں تو یہی لگتا ہے اردو میں کسی بیماری پر لیکچر دے رہے ہیں۔ شاعری ان کی پسندیدہ ان ڈور گیم ہے۔ ہمارے ایک شاعر دوست اشرف جاوید بڑے توانا شاعر ہیں یقین نہ آئے تو ان کی کشتی دیکھ لیں ویسے کشتی اور شاعری میں یہی فرق ہے کہ کشتی میں لڑنے والا اپنے کپڑے خود اتارتا ہے۔ شادی کے ایک سال بعد بیوی بیمار ہوئی تو کشتی کی بجائے بیڈ مینٹن کھیلنے لگے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ واحد کھیل ہے جس کے شروع میں بیڈ آتا ہے۔ شرع اورشاعری میں کیا شرم۔ ڈاکٹر زاہد امیر جس تیزی سے شاعری کررہے ہیں اس تیزی سے شاعری ہی کی جاسکتی ہے۔ کوئی اور کام نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہم شاعر نہیں مگر ان کی شاعری پررائے دے سکتے ہیں کیونکہ ایک نقاد کے بقول ٹھیک ہے میں نے کبھی انڈا نہیں دیا مگر میرے سامنے آملیٹ ہو تو مرغی سے بہتر رائے دے سکتا ہوں۔ بچپن میں گھر کی دیواروں پر شعر لکھ دیا کرتے جسے سال بعد سفیدی کرنے والا مٹا دیا کرتا اس کے قبل ہم اردو ادب

میں سفیدی کرنے والے کے مقام و مرتبے سے آگاہ نہ تھے۔ رقص اعضاء کی شاعری ہے شاید رقص کو شاعری کے خانے میں اس لیے شامل کیا گیا ہو کہ رقص میں بھی سر سے زیادہ پاؤں کا استعمال ہوتا ہے۔ ان کا دماغ ہر وقت شاعری کے لیے چلتا رہتا ہے صرف اس وقت نہیں چلتا جب وہ شاعری کر رہے ہوتے ہیں۔ جیسے ہمارے ٹی وی پروڈیوسرز حضرات جب صبح اٹھتے ہیں تو ان کا دماغ چلنا شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک چلتا رہتا ہے جب تک وہ ٹی وی اسٹیشن کے اندر داخل نہیں ہو جاتے۔

ڈاکٹر صاحب بڑے پرفیکشنسٹ ہوتے ہیں ہمارے ایک استاد پروفیسر ڈاکٹر جو ابھی "حیات" ہیں خدا انہیں "منور" رکھے۔ انہوں نے اپنی لیڈی سیکرٹری کو نکال دیا تھا کہ اسے کچھ آتا نہیں سوائے "ٹائپنگ' ڈرافٹنگ اور شارٹ ہینڈ کے۔" اسی لیے شعبہ طب کے لوگ دوسرے شعبوں میں شعبدہ بازی دکھا رہے ہیں اس سے لگتا ہے کہ ایک دن محکمہ ڈاک کی فوری اور محفوظ ڈلیوری کے لیے گائناکالوجسٹ رکھ لے گا۔ ہم خود ڈاکٹر ہیں مگر ایسے کہ اگر کوئی جاننے والا کس بڑی بوڑھی کے لیے ہمارے پاس دوائی لینے آئے تو ہمیں یقین ہوجاتا ہے کہ یہ اس کی ساس ہے۔ لیکن ڈاکٹر زاہد امیر صاحب اپنے فیلڈ کے اتنے بڑے ڈاکٹر ہیں کہ ای این ٹی کے ڈاکٹرز بھی ان کا نام سنتے ہی اپنے کانوں کو ان کا ہاتھ لگواتے ہیں۔ وہ ماہر امراض کان' ناک اور گلہ ہیں۔ کان گلہ تک بات ٹھیک تھی ناک والی بات خطرناک ہے۔ ہمارے ایک معروف آئی سرجن نے ایک مصور کا علاج کیا۔ مصور نے ایک تقریب میں خوش ہو کر آئی سرجن کو ایک تصویر دی۔ تصویر میں ایک بڑی سی آنکھ میں آئی سرجن کی تصویر بنائی ہوئی تھی۔ تقریب میں مہمان خصوصی پرفیسر خواجہ صادق حسین تھے۔ انہوں نے تصویر دیکھ کر آئی سرجن سے کہا اس پر خوش ہونے کی بجائے تمہیں شکر ادا کرنا چاہیے کہ تم گائناکالوجسٹ نہیں تھے۔

جہاں تک گلے کی بات ہے ڈاکٹر صاحب کئی گلوں کے گلوں میں راگ رنگ بھر رہے ہیں ان کے پاس کوئی گلوکار آئے کہ میرے گلے کے لیے کچھ دیں تو یہ فوراً غزل لکھ دیتے ہیں کہ صبح نہار منہ غزل سے غرارے کرنا' افاقہ ہوگا۔ گلوکاری کا ہمیں تو

اتنا ہی پتہ ہے کہ جو بات دوسرے کو کہتے ہوئے شرم آئے اسے گا دو۔ اردو ادب میں گلے کے زور پر کئی شاعرات ہوئیں گو ہربائی بھی گلے کے زور پر شاعرہ کہلائی

یہ تو بعد میں عورتوں میں بند گلے کا ڈیزائن رواج پایا۔ پھر بھی آج کل خوبصورت شاعری وہ شاعری ہے جسے کوئی خوبصورت کرے۔ ایک شاعرہ نے کہا' لگتا ہے کہ اب میں بڑی موٹی اور بھدی ہو گئی ہوں۔ پوچھا "آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟" کہا "اب نقاد میرے شعروں میں وزن کی غلطیاں نکالنے لگے ہیں۔" پروفیسر صاحب شاعری کو کام سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس پر ہمیں عتراض نہیں مسئلہ یہ ہے کہ وہ جب کام شروع کرتے ہیں تو پھر کام تمام کرکے چھوڑتے ہیں۔

رنگ ایسا کہ موٹے ہوتے تو اپنی ذات میں "انجمن" ہوتے۔ گفتگو میں اکثر اٹک جاتے ہیں ہم تو ٹرین پر اٹک جاتے ہیں۔ کار اس قدر احتیاط سے چلاتے ہیں کہ ٹریفک کانسٹیبل کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس ڈرائیونگ لائسنس نہیں ہوگا۔ طبیعت میں اس قدر حلیمی کہ رستہ بھی مانگ رہے ہوں تو لگتا ہے رشتہ مانگ رہے ہیں۔ کسی پر احسان کریں تو بتاتے ہوئے شرماتے ہیں جیسے انہوں نے احسان نہیں کیا احسان نے کچھ کیا ہے؟ غصہ اور تھوک تھوکتے نہیں۔ کوئی دوست پریشانی میں فون کرے تو کہیں گے' مجھے آیا سمجھیں۔ سنا ہے ان کے بچے انہیں آیا سمجھتے بھی ہیں۔ ہر کام محنت سے کرتے ہیں آرام بھی کررہے ہوں تو لگتا ہے محنت کررہے ہیں۔ پوچھا طلب علمی میں کبھی کلاس میں لیٹ گئے؟" کہا "ہمارے زمانے میں کلاس میں طلبہ آپ کی طرح لیٹ نہ جاتے تھے' بیٹھے رہتے تھے۔" موصوف امتحان کے دنوں میں نہانا اور کمرے سے نکلنا بند کردیتے یوں طلبہ انہیں سونگھ کر اندازہ لگا لیتے کہ امتحان میں کتنے دن رہ گئے ہیں۔ ان دنوں پروفیسر صاحب صفائی کا اس قدر خیال رکھتے کہ تولیے سے منہ تک نہ پونچھتے کہ کہیں تولیہ میلا نہ ہو جائے۔ چارپائی پر بیٹھے رہتے جب تک چارپائی نہ بیٹھ جاتی۔ فائنل کے امتحان کے بعد جب کمرے سے نکلے تو ان کا بیس پونڈ کم ہو چکا تھا' بعد میں نہائے تو وزن مزید پانچ پونڈ کم ہو گیا۔

بحیثیت ڈاکٹر انہوں نے سگریٹ ختم کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اب تو اتنے ماہر ہو گئے ہیں کہ بیس پچیس سگریٹ منٹوں میں ختم کرسکتے ہیں۔ شکر ہے ملک سے شراب

ختم کرنے کا ارادہ نہیں کرلیا۔ ویسے شراب پینا چھوڑنے کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ شراب کو فریز کرلیا جائے۔ اور پھر اسے پینے کی بجائے کھایا جائے۔ ایک پنجابی فلم "رقعہ" لکھی پنجابی فلموں میں اچھل کود اتنی ہوتی ہے کہ ہماری فلمی ہیروئینوں کا دیوار دیکھتے ہی کودنے کو دل چاہتے لگتا ہے۔ مگر فلم میں وہ کوانٹٹی کے بجائے کوالٹی کے قائل ہیں اگر کوانٹٹی کے قائل ہوتے تو ان کی فلم کی ہیروئین "انجمن" ہوتی۔ کہتے ہیں میری دو کتابیں آ گئی ہیں۔ اور آ رہی ہیں۔ مگر اس انداز سے کہتے ہیں جیسے اطلاع نہیں دے رہے، دھمکی دے رہے ہیں۔ ڈاکٹری میں انہوں نے نام ہی کمایا۔ دام کے دام میں نہیں آئے۔ سو اب دوسرے پروفیسر ڈاکٹروں کے پاس شوگر فیکٹری، سوپ فیکٹری، وولن فیکٹری بلکہ پتہ نہیں کون کون سی فیکٹری ہے۔ ان کے پاس کوئی فیکٹری ہے تو وہ ہے Satis-Factory

○○○

- **بادام اور بے دام**

ہمارے ہاں تین طرح کے سیاست دان ہیں نمبر 1 پہلی طرح کے نمبر 2 دوسری طرح کے نمبر 3 ہر طرح کے جبکہ اصغر خاں صاحب ہمارے اپنی ہی طرح کے سیاست دان ہیں ان کا قد ان کی پارٹی سے کئی انچ بڑا ہے۔ ہم نے عبادت کو سیاست بنایا وہ اپنی مثال آپ ہیں بلکہ دوسروں کی مثال بھی آپ ہی ہیں وہ ووٹروں کو کبھی مایوس نہیں کرتے جب بھی کرتے ہیں وہ ووٹر کرتے ہیں۔ انہیں الیکشن لڑنے میں جیتنے کا کبھی خطرہ نہیں ہوتا جیسے چھٹی دہائی میں سائنس دان غلام محمد موجد نے ایٹم بم ایجاد کیا اور اپنے ایجاد کردہ ایٹم بم کی سب سے بڑی خوب یہی بتائی کہ اس سے انسان کو کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا کہ یہ وہ بم ہے جو چلتا نہیں۔ بہرحال اصغر خان صاحب نے کہا ہے میں صدراتی الیکشن اس لئے لڑ رہا ہوں کہ ملک کا سستا ترین الیکشن ہے۔

سیاست سستی ہوئی لیکن پٹرول اور سیاست دانوں کی قیمتیں اتنی بڑی ہیں کہ آسمان کو ان سے باتیں کرنے کے لئے اوپر جانا پڑتا ہے ویسے تو سب سے زیادہ پیسے سستی شہرت حاصل کرنے میں ہی لگتے ہیں۔ سستا ترین الیکشن کتنا مہنگا پڑتا ہے اس کا ہمیں اندازہ نہیں۔ وہ دام سیاست میں بے دام آنا چاہتے ہیں۔ ایک بار بی بی سی کا نمائندہ خان عبدالغفار کا انٹرویو کرنے آیا خان صاحب نے کہا: دیکھو اگر تم ادب یا شاعری کی بات کرنا چاہتے ہو تو میرے بیٹے سے کرو' اگر سیاست پر بات کرنا چاہتے ہو تو ولی خان سے کرسکتے ہو اور اگر کوئی کام کی بات کرنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ کرلو۔ اگرچہ اس کا راوی بڑا ضعیف ہے یعنی اسی نوے سال کا ہے ویسے بھی اردو میں راوی کہتا ہے اور پنجابی میں راوی بہتا ہے۔ راوی کہتا ہے اگر بادام کی بات کرنا ہے تو صدر اسحاق ہیں جو اس عمر میں بھی منہ سے بادام اور اسمبلی توڑ سکتے ہیں' دام میں آنا ہے تو اور بہت ہیں البتہ بے دام اصغر خان ہی ہیں۔ خان صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جیسے ایک شخص

نے کہا "آج بارش ہوگی؟" واقعی اس دن بارش ہوئی کسی نے پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلا' ہوا سے' پرندوں کے طور طریقوں سے یا آسمان کے ستاروں سے اندازہ لگایا ہے۔ کہا "نہیں! بہت آسان طریقہ ہے جس دن میں کھیت کو پانی لگاتا ہوں اسی دن بارش ہو جاتی ہے" یوں انہوں نے ہر الیکشن بڑ کامیابی سے ہارا۔ صرف 1993ء کا عام الیکشن نہ ہارے جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ الیکشن بڑے شفاف تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ الیکشن میں کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ اس کا سیاست میں بڑا تجربہ ہے پر تجربہ وہ کنگھی ہے جو زندگی ہمیں اس وقت دیتی ہے جب ہمارے بال جھڑ چکے ہوتے ہیں۔ انہیں قوم کا بڑا غم ہے جو پہلے اتنا بڑا نہ تھا کیونکہ غم بچے کی طرح ہوتا ہے اس کی پرورش کرو تو یہ بڑا ہوجاتا ہے۔ صدارتی الیکشن میں وہ واحد امیدوار ہیں جن پر پی پی پی اور مسلم لیگ نون بلکہ مسلم لیگ آفٹر نون میں بھی اتفاق رائے ہے۔ پی پی کہتی ہے یہ ہمارے نمائندے نہیں اور مسلم لیگ بھی ہی کہتی ہے۔ نواب زادہ نصر اللہ خان کا صدارتی الیکشن میں کھڑا ہونا ایسا ہی ہے جیسے قوال خود ہی وجد میں آجائے۔ بہرحال صدارتی امیدوار فضل الرحمان لاہوری صاحب کہتے ہیں مجھے صرف اصغر خان سے خطرہ ہے ٹھیک کہتے ہیں بقول ایک مزاح نگار مچھر ہاتھی کو کاٹ سکتا ہے ہاتھی مچھر کو نہیں کاٹ سکتا۔فضل الرحمان لاہوری خود کو بڑا مضبوط امیدوار سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں میں اتنا مضبوط ہوں کہ بغیر تھکے چالیس گھنٹے سائیکل چلا سکتا ہوں۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں جو مفید کام کیا وہ ہے ان کا صدارتی امیدوار ہونے کی اہلیت حاصل کرنا۔ یعنی 45 سال سے زیادہ عمر کا ہونا۔ فضل الرحمان کا آسان اردو ترجمہ "یا اللہ فضل" ہے اسی مفہول کے ہمارے صدر فضل الٰہی رہے ہیں وہ جب صدر بنے تو ہر پاکستانی کا چہرہ امید سے روشن ہوگیا تھا کہ اگر یہ صدر بن سکتے ہیں تو پھر میں بھی بن سکتا ہوں۔ یوں بھی اس کچی نوکری سے پکی نوکری اور کون سی ہوسکتی ہے جس کے لئے اگر کوئی کوالیفیکیشن چاہیے تو وہ 45 سال کا ہونا ہے۔ لگتا ہے اسی وجہ سے کبھی کوئی خاتون

صدارت کی امیدوار کے طور پر سامنے نہیں آئی۔ ایک امریکی صحافی نے کہا تھا آج تک امریکہ میں کوئی خاتون صدر اس لیے نہیں بنی کہ صدر کے لیے دو باتیں ضروری ہیں‘ ایک یہ کہ وہ چالیس سے زیادہ ہو اور دوسری یہ کہ وہ جدھر چلے پوری قوم اس کے پیچھے چلے۔ سو پہلے تو کوئی خاتون چالیس سال سے زیادہ کی ہونے کا اعلان نہیں کرے گی اور اگر وہ چالیس سے اوپر کی ہو گئی تو اس کے پیچھے پوری قوم تو کیا ایک مرد بھی نہ آئے گا ویسے بھی جو خاتون یہ بتادے کہ اس کی عمر 40 سال سے زائد ہے اسے صدر بنانا ہی نہیں چاہیے وہ کوئی بات راز میں نہ رکھ سکے گی۔ ویسے ستر سالہ نینسی ریگن نے کہا ہے کہ اگر مجھے صدر بنادیا جائے تو میں ابھی 40 سال کی ہونے کے لیے تیار ہوں۔

کوئی ہم سے پوچھے کہ پاکستان کے صدروں کے بارے میں آپ کتنا جانتے ہیں؟ تو ہم یہی کہیں گے۔ اتنا جانتے ہیں جتنا وہ ہمارے متعلق جانتے ہیں۔ وہ بے اختیار اپنے با اختیار ہونے کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی با اختیار صدر غلام محمد صاحب کو کسی نے مشورہ دیا کہ سر آپ فیصلہ سنا دیا کریں مگر اس کے حق میں دلائل نہ دیا کریں۔ کہا ”وہ کیوں؟“ جواب ملا ”آپ کا فیصلہ تو مان لیا جاتا ہے مگر دلائل پر سب ہنس پڑتے ہیں۔“ بہرحال زیادہ عمر کا صدر ہونے کا یہ فائدہ ضرور ہے بقول ضمیر جعفری اس عمر میں بندہ برا سوچ تو سکتا ہے برا کر نہیں سکتا بلکہ ایک بار صدر غلام محمد صاحب نے کہا مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے بحیثیت صدر کبھی جھوٹ بولا ہو۔ تو سننے والے نے کہا اس میں تعجب کی کیا بات ہے اس عمر میں حافظے کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

فضل الرحمان لاہوری صاحب بولتے وقت کان‘ لفظ اور غصہ بہت کھاتے ہیں۔ تلفظ ایسا کہ منشور کو بھی من سور کہتے ہیں انہوں نے صدر بننے کے لیے جو تیاریاں کیں ان میں نیا جبڑا لگوانا‘ ”جوروشور“ سے صدری سلوانا شامل ہے مگر وہ صدارتی الیکشن میں صرف ایک ممبر کی وجہ سے ہار گئے وہ تھا تجویز کنندہ پوچھا اب آپ کس کو سپورٹ کریں گے کہا ”اپنی ہی بیوی کو سپورٹ کروں گا۔“

صاحب! حق ہمیشہ غالب آتا ہے اور باطل بھاگ جاتا ہے اس لئے جو بھاگ جائے ہم اسے باطل کہتے ہیں۔ مگر اصغر خان تو ریس میں بھی بھاگتے نہ تھے۔ ایک دوست نے سیاست دانوں پر کتاب لکھنا تھی اس نے خان صاحب سے کہا میں نے کتاب کا نام رکھا ہے "سیاست دان کیسے بنا جائے؟ کہا نام رکھو" سیاست دان کیسے نہ بنا جائے؟ وہ بڑے مشہور سیاست دان ہیں کہتے ہیں کہ لوگ اب مشہور لوگوں کو پہچاننے بھی لگے ہیں۔ خان صاحب کا بے اختیار دل صدر بننے کو چاہتا ہے مگر بے اختیار صدر بننے کو دل نہیں چاہتا۔ وہ الیکشن لڑتے نہیں ہیں وہ تو بس کھڑے ہوتے ہیں اور ہمیشہ کھڑے ہی رہتے ہیں۔ اگر ووٹ ہوتا تو ہم ان کے گروپ میں شامل ہوجاتے کیونکہ ہمیں تنہائی پسند ہے۔

○○○

• جذبہ خیر سہ گالی

جب سے ہمیں پتہ چلا ہے کہ جاپانی ماہرین ارضیات کی عرضیات کے مطابق زمین سکڑ رہی ہے اور ہر سال چین اور جاپان 2.9 سینٹی میٹر قریب آرہے ہیں۔ ہمیں یہ لگنے لگا ہے کہ اگر اسی رفتار سے یہ سب ہوتا رہا تو جلد دونوں ممالک قریبی ہو جائیں گے' اگرچہ دور رہنے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ بہرحال ان دونوں ملکوں کے سیات دان کئی دہائیوں میں اپنے ملکوں کو اتنا قریب نہ لاسکے تھے جس کی وجہ شاید یہ تھی کہ دونوں کے درمیان دنیا کا سب سے بڑا کاہل ہے۔ یعنی بحرالکاہل۔

جاپان اور چین FAR EAST کے ممالک ہیں اور FAR EAST کے بارے میں کسی دانشور نے کہا ہے:

"It is not Far Enough" وہاں کے باشندے اس نسل سے ہیں کہ ہر ماں کا لال' پیلا ہی ہوتا ہے۔ آنکھیں اتنی چھوٹی کہ آج تک انہوں نے کسی قوم کو آنکھیں نہیں دکھائیں۔ اپنے چھوٹے قد کی وجہ سے دن رات کام میں مصروف رہتے ہیں کہ فارغ ہوں گے تو قد کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشانی ہو گی' پھر دونوں ملکوں میں اصل حکمران ایک ہے وہ ہے "گھڑی" اسے دیکھتے جاتے ہیں اور کام کرتے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو گھڑی صرف اس لئے دیکھتے ہیں کہ پتہ چل سکے کتنے لیٹ ہیں؟ ہمارے ہاں تو یہ جاننے کا علم کہ دوسرا کتنا لیٹ ہے پابندی وقت کہلاتا ہے اگرچہ جاپانی شہنشاہوں کو چینی اس قدر پسند ہے کہ وہ چینی کے بغیر چائے نہیں پیتے ہی نہیں چینی لیڈر بھی دن میں بار بار کہتے ہیں "جا۔۔۔ پانی لا" لیکن اس کے باوجود دونوں ملکوں میں جذبہ خیر سگالی پروان نہ چڑھا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ خیر سگالی میں سہ گالی بھی ہے۔

دونوں ممالک کے اپنے اپنے مسائل ہیں' جیسے چین میں محکمہ صحت کو نئے ہسپتال کھولنے میں دشواریاں پیش ہیں پچھلے دنوں پیکنگ کے قریب ایک ہسپتال کا افتتاح کرنا تھا سارا

عملہ موجود تھا مگر مریض نہیں مل رہے تھے۔ سو بڑی مشکل سے کسی اور ہسپتال سے ادھار مریض لے کر افتتاح کرنا پڑا۔ پھر چین میں اعلیٰ افسروں کو ڈرائیونگ سیکھنا پڑتی ہے کیونکہ فی زمانہ سائیکل چلانے کے لئے ڈرائیور رکھنے کا رواج نہیں۔ ابن انشاء لکھتے ہیں وہاں مجرم عید کا چاند ہیں۔ پیکنگ کی عدالت عالیہ کے چیف جج نے کہا کہ ہمارے پاس تو مدت ہوئی کوئی کیس نہیں آیا' سو اگر آپ ہمارا عدالتی طریقہ کار دیکھنا چاہتے ہیں تو فلاں گاؤں کی عدالت میں ایک مقدمہ چل رہا ہے اور جج صاحب ابن انشاء کو لے کر اس گاؤں گئے۔ وہاں پہنچے تو پتہ چلا طلاق کا مقدمہ تھا اور ان کے آنے سے پہلے ہی فریقین میں صلح ہو گئی ہے۔

جاپان میں لوگ اتنے مصروف ہیں کہ جرم کرنے کے لئے لوگوں کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔ وہاں 80 فیصد پہاڑ اور 20 فیصد درمیانی علاقہ ہے جہاں سو فیصد جاپانی آباد ہیں' یہ تو اچھا ہوا ان کا قد چھوٹا ہوتا ہے' ورنہ اتنی سی جگہ پر وہ کیسے رہ سکتے۔ اسی لئے رسالہ ٹائم' نے ایک بار لکھا تھا کہ وہاں نائٹ کلبوں میں رش کی وجہ سے خالی سیٹیں نہیں ملتیں۔ یوں بچاری میزبانوں کو پر سیٹوں پر ہی بیٹھنا پڑتا ہے۔ وہاں تو کسی سے گھر کا رقبہ پوچھیں تو مربع انچوں میں بتاتا ہے۔ اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ غریب کیسے محسوس کرتے ہیں تو آپ چاہے کتنے بھی امیر ہیں چند دن جاپان کے کسی ہوٹل میں ٹھہریں' آپ خود محسوس کرنے لیگں گے وہاں سونے کے کمرے کا کرایہ سن کر لگتا ہے یہ کمرہ سونے کا بنا ہوا ہے۔ وہاں کانوں میں سونا ہوتا ہے یا نہیں اس کاتو علم نہیں البتہ ہمارے کانوں میں سونا ہوتا ہے۔ جی ہاں عورتوں کے کانوں میں' وہاں تو پہاڑوں سے لاوا اور سورج ہی نکلتا ہے۔ جہاں تک چین کا تعلق ہے کوئی پوچھے کہ چین میں سب سے زیادہ کیا ہے؟ تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں "چینی۔" وہاں سے ہو کر آنے والے ہمارے ایک شاعر نے تو اطلاع دی ہے کہ چین میں عورتیں نہیں ہوتیں۔ تاہم مبینہ شاعر کے ساتھی نے بتایا موصوف کو وہاں ایک لڑکی بھائی تو موصوف نے محترمہ کو یہ بتایا جس پر وہ بولی میں بھائی نہیں لڑکی ہوں۔ چین اور جاپان کے لوگ بڑے امن پسند

اور امن پسند ہیں۔ اگر لڑ بھی پڑیں اور بات گولی تک جا پہنچے تو یقین کرلیں وہ گولی سر درد کی ہی ہو گی۔ اسکے باوجود دونوں ممالک دور دور رہے۔ سنا ہے کہ جاپان کے شہنشاہ اکی ہیٹو اپنی زندگی میں دونوں کو قریب بلکہ عنقریب دیکھنا چاہتے ہیں۔ ویسے جتنی جاپانی شہنشاہوں کی لمبی عمریں ہوتی ہیں اس حساب سے تو ہمیں امید ہے کہ دونوں ملک اگر 29 سینٹی میٹر سالانہ کے حساب سے بھی قریب آتے گئے تو اکی ہیٹو کی زندگی میں ہی یہ ممکن ہوجائے گا۔

○○○

- زنج دانج

ڈاکٹر شفیق الرحمان نے کہا تھا یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بندے کو پسند تو خاتون کے گال کا تل آتا ہے' مگر اسے شادی پوری خاتون سے کرنا پڑتی ہے۔ ایسے ہی ہیں پسند تو بلجیم کی جیلیں ہیں اور تعریف ہم پورے بلجیم کی کرتے رہتے ہیں اگرچہ وہاں اتنے جرائم ہوتے ہیں کہ لوگ اس ڈر سے پستول لے کر گلی میں نہیں نکلتے کہ کوئی چرا کر نہ لے جائے' لیکن وہاں جرائم پیشہ لوگوں کے علاوہ شرفاء کو جیل پہنچانے کا بھی انتظام ہے۔ سڑکوں پر لکھا ہوتا ہے کہ آپ شہر میں آہستہ گاڑی چلائیں اور شہر کی سیر کریں۔ پھر جیلوں میں قیدیوں کو ہفتہ وار تعطیل ملتی ہے' سنڈے کو آف ڈے ہوتا ہے۔ جس کے بعد ڈے آف رہتا ہے' اسی لئے وہاں بندہ جیل بھی یوں جاتا ہے جیسے ہمارے ہاں دفتر جاتا ہے۔ بلجیم کا موسم ایسا ہے کہ سب سے گرم وہاں عورت ہی ہے۔

البتہ خاوند اتنے ٹھنڈے مزاج کے ہیں کہ بیویوں سے پوچھو کہ آپ نے کون کون سے گلیشیئر دیکھے ہیں؟ تو وہ جو نام لیں گی اس میں ان کے خاوند کا نام بھی شامل ہوگا۔ اگر وہاں گرمیاں ہوتیں تو ہمیں یقین ہے قیدیوں کو گرمیوں کی چھٹیاں ملا کرتیں' لیکن اس کے باوجود وہاں کی جیلیں عبادت گاہوں کا منظر پیش کرتی ہیں' یعنی خالی رہتی ہیں۔ بلجیم حکومت لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے نت نئے اعلانات کرتی رہتی ہے۔ گذشتہ دنوں انہوں نے کہا کہ جیلوں میں قیدی اپنی بیویاں بھی رکھ سکیں گے۔

صاحب! جو اپنی بیوی سے نہیں ڈرتا یقین کریں' وہ غیر شادی شدہ ہے اور بلجیم میں تو بقول آسکروائلڈ کنوارے شادی شدوں کی طرح رہ رہے ہیں اور شادی شدہ اتنے رہ نہیں رہے جتنے رہ گئے ہیں۔ عورت کے وہاں اتنے حقوق ہیں کہ مرد کو صرف یہ حق ہے کہ وہ مستحق ہے' عورتوں کی دو زبانیں ہیں ایک فرانسیسی اور دوسری ولندیزی۔ حالانکہ عورت کو بولنے کے لیے ایک زبان ہی کافی ہوتی ہے۔ وہاں تو گھر میں عورت ہی خاوند

ہوتی ہے۔ سو ہمیں یہ سمجھ نہیں آرہی کہ قیدیوں کو بیویاں ساتھ رکھنے کی سہولت دی گئی ہے یا یہ سزا ہے۔ ممکن ہے پولیس کو یہ شک ہوا ہو کہ وہاں مرد جرم صرف کرتے ہی اس لیے ہیں کہ جیل جا کر بیوی سے دور رہنے کا موقع ملے گا۔ گھر اور جیل میں یہی فرق ہوتا ہے' کہ وہ مکان جس میں بیوی ساتھ نہ ہو جیل کہلاتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے جیلیں خالی پڑی رہنے کی وجہ سے حکومت انہیں گھر بنانا چاہ رہی ہو۔

بلجیم میں کرسی پر بیٹھ کر کرنے والے کام عورتیں کرتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ وہاں کسی دفتر کے مالک سے پوچھو "آپ کے ہاں کتنی عورتیں کام کرتی ہیں؟" کہے گا "ہر دس میں سے ایک" "اسی لئے ہمارے ہاں ہسپتالوں میں یہ شکایت ہوتی ہے کہ یہاں ڈیلیوری کا خاطر خواہ انتظام نہیں' وہاں ایسی شکائتیں ڈاکخانوں میں بھی ہوتی ہیں۔ وہاں کے گھروں کا ماحول ایسا ہی ہے جیسے ایک صاحب حبیب جالب صاحب کے گھر گئے۔ جالب صاحب کی بیوی نے کہا وہ تو گھر نہیں آئے۔ وہ صاحب بولے مگر مجھے تو وہ ابھی یہ کہہ کر آئے تھے کہ میں جیل جا رہا ہوں۔ شاید اسی لئے شادی کو عمر قید کہتے ہیں۔ ایک غیر ملکی دانشور کہتا ہے شادی میں ایک آقا ایک ملکہ اور دو قیدی ہوتے ہیں جن کا ٹوٹل دو بنتا ہے۔ بلجیم کی ایک شاعرہ سے کسی نے پوچھا آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟ اس نے کہا میرے گھر میں ایک کتا ہے' جو ہر وقت غراتا ہے' آتش دان ہے جو ہر وقت دھواں دیتا ہے' طوطا ہے جو دن رات مجھے برا بھلا کہتا ہے۔ اور ایک بلی ہے جو اکثر رات کو گھر نہیں آتی اب بتاؤ میں کس لیے شادی کروں۔ "جیلیں انسان کو سزا دینے کے لئے ہیں اور سزا یہ ہے کہ آپ کو وہ کچھ نہ دیا جائے جو بے آرام کرے۔ شاید بلجیم حکومت اسی لئے بیویاں ساتھ رکھ رہی ہے۔ ویسے بھی اتنی تکلیف اور اذیت کوڑے پڑنے سے نہیں ہوتی جتنی یہ سوچ کر ہوتی ہے' کہ مجھے کوڑے پڑ رہے ہیں۔ مشتاق احمد یوسفی کے عبدالودود بیگ کسی پہاڑی مقام پر ہوٹل میں کمرہ لینے گئے تو سامنے یہ لکھا دیکھا "ہوٹل ہذا میں آپ کو گھر کا ماحول ملے گا" تو

یہ کہہ کر واپس آگئے کہ اگر گھر کا ماحول ہی چاہیے تھاتو پھر ہمیں پہاڑی مقام پر آنے کی کیا ضرورت تھی؟ سو لگتا ہے جیلوں میں گھر کا ماحول پیدا کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں' یوں زندان کو زن دان بنایا جارہا ہے۔ ویسے ہمیں اس کی سمجھ نہیں آئی کہ اس کے بعد سے بلجیم میں جرائم کی شرح میں کمی کیوں ہونے لگی ہے۔

ooo

• ہلال و حرام

جب سے امریکہ کے ریاضی دان پروفیسر الیگزینڈر نے کہا ہے کہ محترمہ زمین کا جھکاؤ سورج کی طرف بہت بڑھ گیا ہے جس کی وجہ سے شدید موسم اور دیگر آفات نازل ہو رہی ہیں' اس لئے ایٹمی دھماکے سے چاند کو تباہ کر دیا جائے۔ تب سے ہمیں جو بھی چاند نظر آتا ہے اسے اپنی حفاظت میں لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ چاند میں ہمیں آج تک یہی خامی نظر آئی کہ چاند معشوقوں یا ور مشکوکوں کی طرح رات کو نکلتا ہے۔ رات بھر یہی سوچ کر پریشان رہتے ہیں مگر صبح ہمیں پریشانی نہیں ہوتی جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ صبح کے وقت ہم سوئے ہوتے ہیں۔ سنا ہے چاند بچارہ ریاضی دانوں کے ڈر سے رات کو نکلتا تھا' مگر ریاضی دانوں نے تارے گنتے گنتے یہ نیاچاند چڑھانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ہم نے سوچا تھا چاند تباہ کرنے کی بات پر شاعر آسمان سر پر اٹھا لیں گے مگر جب پشاور کے ایک صحافی نے اللہ دتہ ناواقف صاحب کو بتایا کہ چاند تباہ کردی جائے گی' تو ناواقف صاحب نے کہا اس میں تو سنگین غلطی ہے۔ پوچھا کیا؟ کہا "تذکیر و تانیث کی سنگین غلطی ہے چاند مذکر ہوتا ہے۔" لیکن بھلا ہو مولانا محمد خادم نقوی صاحب کا جنہیں اکثر لوگ مولانا محمد خادم نقوی صاحب کہتے ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ ہلال کو یوں حلال کرنا حرام ہے اور امریکیوں کو اس کی ہرگز اجازت نہ دیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ جب امریکی ان کے یہ اجازت لینے آئیں گے تو مولانا انہیں ہرگز نہیں دیں گے۔ ظاہر ہے چاند نہ ہوگا تو یہ کیسے پتہ چلے گا کہ آج چاند کی کتنی تاریخ ہے؟ ابن انشاء کے بقول تو عید کا پیغام لانے کے علاوہ چاند کا کوئی خاص مصرف نہیں' شاعر اور چکور اس سے باتیں کرلیتے ہیں یا پھر ان بستیوں میں جہاں بجلی نہیں لالٹین کا کام دیتا ہے۔ تاہم لالٹین والی بات پر واپڈا ہی روشنی ڈال سکتا ہے۔

ایک زمانہ تھا تاج برطانیہ کا سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا' اب وہاں کئی کئی دن سورج

نکلتا ہی نہیں' اگر وہاں کوئی "ڈیلی سن" کہے تو یقین کرلیں وہ روزانہ سورج کے بجائے روزانہ اخبار کا ذکر کررہا ہے۔ سورج سے ذاتی طور پر ہمیں یہی شکایت ہے کہ صبح بہت جلد نکل آتا ہے۔ مغرب صدیوں سے ہر شام سورج کو غروب کرتا ہے مگر ہم نے کبھی اعتراض نہ کیا۔ ویسے بھی سورج دن کو نکلتا ہے اور دن کو ہمیں روشنی کی اتنی ضرورت نہیں' اس لے سورج نہ بھی نکلے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یوں بھی سورج اور اپنی غلطیوں پرنظر رکھنے سے نظر نہیں رہتی اور اپنے چاند پر نظر نہ رکھیں تو چاند اپنانہیں رہتا۔ ہمارے ہاں تو چاند کو چندا ماموں بھی کہتے ہیں' اسی لئے جب امریکی پہلی بار چاند پراترے تو ہمارے ایک مولوی صاحب کا پارہ یوں چڑھا جیسے وہ ان کے ماموں کے ہاں اترے ہوں۔

محبوب کو تحفہ دینا ہمیشہ سے مسئلہ رہا ہے ایک بار رنگیلے نے کسی سے پوچھا' میں محبوب کو کیا تحفہ دوں جواسے پسند آئے؟ سننے والے نے کہا "آپ محبوب کو پسند ہیں؟ رنگیلے نے کہا "ہاں" تو اس نے جواب دیا "پھر اسے کچھ بھی دے دیں اسے پسند آئے گا" لیکن جب عاشق محبوب کو کچھ نہ دینا چاہیں تو اسے چاند سے پار لے جانے کی باتیں کرتے ہیں۔ چاند کو محبوب کی خاطر زمین پر اس لئے نہیں لاتے کہ اسے رکھیں گے کہاں؟ اگرچہ عاشق حلقے چاند تباہ کرنے کی خبر سے ہلکے ہلکے پریشان ہوئے ہیں مگر عاشقوں کا کیا بھروسہ وہ محبوب کی خاطر تارے توڑنے کی بات کرسکتے ہیں تو چاند توڑنے کی بھی کرسکتے ہیں۔ پھر جیسے شراب پینے کا یہ فائدہ ہوتاہے کہ آپ کو پارکنگ کے لئے جگہ تلاش کرنے میں دشواری نہیں ہوتی' ایسے ہی رات کو چاند نہ ہو تو عاشقوں کو چاند چڑھانے کا موقع مل جاتا ہے۔ حکیم عطا بن مقنع نے توچاہ نخشب سے دن کو چاند چڑھا دیا تھا۔

ہمیں لگتا ہے ماہرین اجرام فلکی چاند کے حسن سے جلتے ہیں۔ یاد رہے یہاں اجرام جرم کی جمع نہیں ہے' تاہم ہمارا ارادہ ہے کہ "چندا بچاؤ مہم" شروع کی جائے جس میں آپ دل کھول کر چندہ دیں۔ کیونکہ اگر کچھ ہو گیا' تو نواب زادہ نصر اللہ خان نے اپنی

اور حقے کی ٹوپی درست کرتے ہوئے یہی کہنا ہے یہ جمہوریت کے خلاف سازش ہے۔
محترمہ بے نظیر صاحبہ یہ بیان دے دیں گی کہ یہ سب نواز شریف حکومت کی نااہلیوں

کا نتیجہ ہے اور نواز شریف زیادہ سے زیادہ یہی کہیں گے کہ چاند کو تباہ کرنے کی
کیا ضرورت تھی اسے پرائیویٹ سیکٹر میں دے دیا جاتا۔

○○○

- # نسوار خانم

نسوار کو دیکھ کر ہم تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ نشہ ہے جسے منہ میں ڈالنے کے لیے بھی بندے کو نشے میں ہونا چاہیے' جیسے لوگ اپنی نالیاں اور نیکیاں دریا میں ڈال دیتے ہیں' ایسے ہی ہم سمجھتے ہیں نسوار منہ میں وہ رکھتے ہیں جن کے پاس اسے رکھنے کے لئے کوئی بہت جگہ نہیں ہوتی۔ سنا ہے پہلے اسے پریاں کھایا کرتیں۔

ہمارے سامنے تو کوئی پری بھی اسے کھائے تو ہم اسے پری کی بجائے پرے پرے! ہی کہیں گے وہ پری نہیں خانہ پری ہے' جس کے چہرے پر زیر لب مسکراہٹ کی بجائے زیر لب نسوار ہو۔ آج کل ہم نسوار کو پٹھانوں سے چھڑوانے کا سوچ ہی رہے تھے کہ مختصر پشتو فلموں کی تفصیلی اداکارہ نے اخباری بیان دے دیا کہ میرا رقص دیکھ کر پٹھان نسوار منہ میں ڈالنا بھول جاتے ہیں اس اداکارہ کا رقص دیکھ کر تو لگتا ہے جیسے کوئی وزنی شاہین' مسرت کا اظہار کر رہا ہو۔ ایک ماہر مرگی کے مطابق رقص میں ایسا فٹ لباس پہنتی ہیں کہ دیکھنے والوں کو فٹ پڑنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ ہالی وڈ کی فلموں میں بھی کسی اداکارہ سے پوچھو کہ جس دن شوٹنگ کینسل ہو جائے گھر جا کر آپ کیا کرتی ہیں تو یہ کہے گی سب سے پہلے الماری سے پہننے کے لیے کپڑے نکالتی ہوں۔ ہماری پشتو میں تو ہیروئن پرپینٹ کو پینٹ کردیا جاتا ہے۔ اکثر فلمساز فلم بنانے کے لیے چھوٹی بچی کے کپڑے لیتے ہیں' اس میں سب سے بڑی ہیروئین ڈال کر سکرین پر انڈیل دیتے ہیں۔ جیسے اردو شاعری میں جو تراکیب استعمال ہوتی ہیں۔ ایسے ہی اس اداکارہ کا رقص دیکھ کر لگتاہے وہ اپنے قریب ہونے کی کوشش کررہی ہے۔ رقص اعضاء کی شاعری ہے مگر پشتو فلمی رقص' دیکھنے والے کے اعضاء شاعر ہوتا ہے۔ مشہور عالم امریکی ڈانسر اگنس ڈی ملی نے کہا ہے کہ اچھی تعلیم رقص کے لئے نقص ہے' کیونکہ رقص

کے لئے سر سے زیادہ پنڈلیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بقول یوسفی ایران میں نسوانی حسن کا معیار چالیس صفات ہیں۔ مشہور ہے کہ فرہاد کی فریاد شیریں میں انتالیس صفات موجود تھیں چالیسویں صفت کے بارے میں مورخ خاموش ہیں۔ لہٰذا گمان ہے اس کا تعلق چال چلن سے ہوگا۔ ایسے ہی پشتو فلمی رقص کی دس صفات ہیں جس میں پہلی نو کا تعلق یوسفی صاحب کی بیان کردہ انتالیس کا چالیسواں ہے' جبکہ دس نمبری رقاصہ کے لیے سب سے آخری شرط موٹا ہونا ہے کہ پشتو فلمی ہیروئین کسی گنتی میں آئیں نہ آئیں تول میں پوری ہوتی ہیں۔ وہاں تو محاورہ ہے پہلے تولو پھر بولو۔

ہمیں یہ تو پتہ نہیں سب سے پہلے نسوار کس نے دریافت کی' یہ پتہ ہے کہ آج کل پشاور میں ہر تیسرا شخص اسی کے بارے میں دریافت کررہا ہوتا ہے۔ وہاں تو لوگوں کے ہاں تھوکنے کے لئے اگال دان نہیں نسوار ہوتی ہے۔ کہتے ہیں نسوار لینے سے ڈبی پر ہمیشہ شیشہ لگا ہوتا ہے تاکہ بندہ دیکھ سکے کہ اس نے نسوار ہی منہ میں ڈالی ہے جیسے پولیس گن مین سے انسٹرکٹر نے پوچھا:

"گن لوڈ کرتے وقت سب سے پہلے کیا دیکھنا چاہیے؟"

تو اس نے کہا۔

"گن کا نمبر تاکہ پتہ چل سکے کہ اپنی ہی گن لوڈ کررہے ہیں۔"

سنا ہے نسوار کھانے سے مچھر نہیں لڑتے' واقعی نسوار کھانے کے بعد مچھر آپس میں نہیں لڑتے۔ سگریٹ پینے سے منہ اور ناک سے دھواں نکلتا ہے' جبکہ نسوار سے کانوں سے دھواں نکلتا ہے۔ یہ بھی تحقیق ہے کہ نسوار کھانے سے بندے کا سر مضبوط ہو جاتا ہے۔ ہم نے پوچھا اس کا فائدہ؟ جواب ملا' پھر نسوار کھاؤ تو چکر نہیں آتے۔ ویسے ہم خود چکرمیں پڑگئے ہیں کیونکہ ثرید اور نسوار کے ذکر ہی سے پٹھانوں کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ انہیں رنگ تک نسواری پسند ہے' ویسے پٹھان ہمیشہ دشمن کو منہ میں رکھنے والی قوم ہیں۔ شاید اس لئے نسوار کو منہ میں رکھتے ہیں تاکہ اسے موقع ملے اور وہ ان کا دماغ چرالے' لیکن غریب پٹھان ہمیشہ سے مفتی اور منشیات سے تنگ ہے۔ ہمارے کئی

جاننے والے نسوار چھوڑنے پر راضی ہیں اور کہہ رہے ہیں ہمیں اس اداکارہ کا رقص دکھایا جائے تا کہ ہم نسوار کو بھول سکیں' لیکن ہمیں خدشہ ہے کہ اگر آج انہیں دکھا بھی دیا تو وہ کل پھر آسکیں گے کہ کچھ انتظام کرو ہم آج پھر نسوار چھوڑنا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے وہ اس عادت بد سے نجات کے لئے مستقل موقع فراہم کرنے کو کہیں۔ سنا ہے اداکارہ کا حسب سابق خاوند ہر گھنٹے بعد نسوار کی چٹکی لیتا ہے' یوں ہنی مون چٹکیوں میں کٹ گیا۔ تاہم بعد میں اس نے کبھی نسوار کو منہ نہ لگایا' ناک میں رکھنے لگا۔ کسی نے کہا ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ کو جب موقع ملے نسوار لے لیتے ہیں تو وہ بولا موقع ملے تو نسوار نہیں لیتا ہاں موقع نہ ملے تو لے لیتا ہوں۔ مگر یہ بھی سنا ہے بعد میں اس نے بالکل نسوار چھوڑ دی تھی مگر اسے ہیروئین لگ گئی تھی اور کئی وکیلوں نے بمشکل اسے اس ہیروئین سے چھڑوایا تھا۔

ooo

• ڈیانا کمپلیکس

صاحب' ابھی ابھی ایک خط نے ہمیں وصول کیا ہے' اگرچہ سیانے کہتے ہیں جوانی میں خط سنبھال کر رکھو تو وہ بڑھاپے میں آپ کو سنبھال کر رکھتے ہیں' مگر پھر بھی ہم سمجھتے ہیں سب سے اچھے خط وہ ہوتے ہیں جنہیں پڑھ کر پھاڑ دیا جائے' یوں ہمیں اچھے خط نہیں آتے۔ پہلی بات آج سے دس بارہ سال قبل خط آیا تھا اور ہم نے خط بنوانے کی بجائے شیو شروع کردی۔ خود کسی کو خط اس لئے نہیں لکھا کہ ہم اتنے بد خط ہیں کہ بچپن ہی سے ہماری لکھائی دیکھ کر لوگوں کو شک تھا کہ ہم بڑے ہو کر ڈاکٹر بنیں گے۔ اگرچہ ہمیں ایک دوست نے بڑا قیمتی لیٹر اوپنر یہ کہہ کر دے رکھا ہے کہ "اب مجھے لیٹر اوپنر کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ میری تو شادی ہو گئی ہے' اب یہ تم لے لو" آج اس کے استعمال کا موقع بھی آیا تو تباہ کن خط سے ایک انتباہ نکلا جو یہ تھا کہ 1351ء کے ٹریزن ایکٹ کے تحت جب تک طلاق نہ ہو کوئی دوسرا مرد شہزادی ڈیانا سے شادی نہیں کر سکتا اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا تو اس کی سزا موت ہے۔ الحمدللہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان موت سے نہیں ڈرتا' پھر بھی ہم اس خط کو ذاتی معاملات میں مداخلت سمجھتے ہیں جی ہاں چارلس اور ڈیانا کے ذاتی معاملات ہیں' جہاں تک ان کی علیحدگی کی بات ہے تو ساری دنیا میں علیحدگی پسندی کی تحریکیں اٹھ رہی ہیں۔ ہم حلفیہ کہتے ہیں ڈیانا اور چارلس کی طلاق کی وجہ وہ نہیں ہے جو خط لکھنے والے نے سمجھی ہے یوں ہم مکتوب الیہ بلکہ معتوب الیہ نہیں ہیں۔ ڈیانا اور چارلس کی طلاق ہونے کی واحد وجہ یہ ہے کہ ان کی شادی ہوئی تھی' لوگ کہتے ہیں چارلس اتنا معمر ہو گیا تھا کہ اسے ڈیانا کا نام بھی یاد نہ رہتا' حالانکہ اگر خاوند کو اپنی بیوی کا نام بھولنے لگے تو اس سے خاوند سے زیادہ بیوی کے معمر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ البتہ بندے کو دوسروں کی بیوی کا نام بھولنے لگے تو سمجھ لیں وہ بوڑھا ہو گیا ہے۔ ڈیانا تو خود کشیدہ

کاری کی ماہر تھیں' یوں حالات کشیدہ اور کاری ہوتے گئے پھر اب وہ زمانہ نہیں جب کہانی کا اختتام یوں ہوتا ہے "پھر شہزادہ شہزادی علیحدہ ہو کر ہنسی خوشی رہنے لگے۔" مغرب کے رشتے تو بس اتنے پائیدار ہیں کہ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے۔

اک ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے

انگریز خوتین میں یہی خوبی ہے کہ وہ تو گالی دینے کے لئے بھی منہ نہیں نتھنے ہی کھولتی ہیں۔ لندن میں تو کتے بھی کسی اجنبی پر اس وقت تک نہیں بھونکتے جب تک اس کاان سے تعارف نہ کروایا جائے جبکہ ہمارے ہاں تو کوئی کہے کہ میں ایسی خاتون سے شادی کرنا چاہتا ہوں جسے میں جو مرضی کہوں وہ آگے سے ایک بار بھی جواب نہ دے تو دوسرا سمجھتا ہے یہ ٹیلی فون آپریٹر سے شادی کرنا چاہتا ہے' ڈیانا کی خوبصورتی اس کی خاموشی میں ہے وہ بڑی سیدھی سادھی بلکہ سیدھی سیدھی ہے' اس کے نام پر وہاں ایک جہاز کا نام رکھا گیا تو سارا دن سوچتی رہی کہ اس میں اور مجھ میں کونسی مماثلت ہے۔ یاد رہے جہاز کے پشتے کمزور تھے اور وہ بال برداری کے کام آتا تھا۔ وہاں ایک کمپلکس کا نام فرگوسن کمپلکس بھی رکھا گیا کیونکہ اس میں صرف کروڑ پتی تاجر ہی قیام کرتے تھے۔ اگرچہ فرگوسن ٹریکٹر تو اب بھی مارکیٹ میں ہیں جن کی خوبی یہ ہے کہ غلط راستوں پر بھی صحیح چلتے ہیں۔ اب فرگوسن کمپلکس کو ڈیانا بنا دیا گیا' پوچھا یہ کیسے کیا؟ تو جواب ملا عمارت کی اوپر والی منزل خالی کر کے' اگرچہ ڈیانا نے کہا ہے یہ میرا نہیں لوگوں کا کمپلکس ہے۔ شہزادی کی طلاق کا سن کر صرف ایک بندہ

رنجیدہ ہوا اور وہ شہزادہ ولیم ہے' ماں باپ کو سمجھا بھی نہیں سکتا یہ اس لئے مشکل ہے کہ بچوں کو ماں باپ جب ملتے ہیں تب وہ اتنے بڑے ہوچکے ہوتے ہیں کہ بچوں سے ان کی تربیت نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ اس کی ضرورت ہمیشہ سے رہی ہے۔ 301 قبل مسیح کا فلاسفر زینو تو اپنی درس گاہ میں کسی نوجوان کو گھسنے نہ دیتا تھا کہتا سمجھانے کی ضرورت صرف پکی عمر اور پختہ کار لوگوں کو ہوتی ہے۔

ڈیانا کی طلاق کی خبر پہنچتے ہی لوگوں نے اس کافر حسینہ کو چار کلمے پڑھانے کا سوچنا شروع کردیا تھا۔ اسی لیے مغربی پری نے ٹریزن ایکٹ والی وارننگ مسلم ممالک بالخصوص عرب ممالک میں فوراً شائع کروادی تاکہ کوئی بے خبر نہ مارا جائے' اگرچہ ہمارے ہاں کی شادی میں ان کے ہاں سے زیادہ شادی ہوتی ہے لیکن وہ ہماری کوالٹی کی بجائے کوانٹیٹی پر ہی نظر رکھتے ہیں' ہمارے ایک معروف سفر نامہ نگار سے ایک مغربی خاتون سے پوچھا آپ کی کتنی بیویاں ہیں؟ اس نے کہا "ساڑھے تین تو" وہ حیران ہوکر بولی "ساڑھے تین سو' اتنی کیوں؟" کہا "اس لئے کہ میں وہاں کا غریب بندہ ہوں اس سے زیادہ افورڈ نہیں کرسکتا" ہم ڈاکخانے کو خطوں کا قبرستان کہتے ہیں اگرچہ اردو ادب میں ڈاکیے کو نامہ بر کہا گیا ہے لیکن پنجابی زبان میں نامہ بر کے لیے ایک برا سا لفظ ہے ہمیں یہ اسی کی شرارت لگتی ہے' ویسے بھی ہم جب سے نئے کمرے میں شفٹ ہوئے ہیں ڈاکیا پہلے رہنے والے صاحب کے خط بھی اندر ڈال جاتا ہے۔ ایک دن ہم نے کہا یہ ڈاک تم غلط پتے پر کیوں پھینک جاتے ہو' تو کہنے لگا میں تو صحیح پتے پر ڈاک پھینکتا ہوں آپ غلط پتے پر رہ رہے ہیں۔ ہمیں لگتا ہے یہ خط غلام مصطفیٰ کھر کا ہے جو غلطی سے ہمیں مل گیا ہے۔ بہرحال اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ہاں غلطیوں کا معیار بہتر ہوگیا ہے۔

• Miss NUI-WORSE

صاحب! جیسے خواتین کو ملازمت کرنے سے روکنے کے لئے کچھ ماہ قبل اسلامی نظریاتی کونسل نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ صرف ان عورتوں کو ملازمت کی اجازت دی جائے

جن کی عمر تیس سال سے زیادہ ہو۔ گویا نہ کوئی تیس سال سے زیادہ کی ہونے کا اعلان کرے گی نہ ملازمت کی بات کرے گی۔ کچھ ایسا ہی جناب نواز شریف صاحب نے فلموں میں کلاشنکوف پر پابندی کا اعلان کرکے کیا کیونکہ جس فلم میں کلاشنکوف نہ ہو گی وہ فلم ہی نہ ہو گی۔ ہمیں یاد ہے ایک ہدایت کار نے کہا کہ فائٹ کیے بغیر فلم بناؤں گا۔ اس نے جو فلم بنائی اس میں کوئی فائٹ نہ تھی صرف پہلے شو کے آخر میں ایک فائٹ تھی جو ہدایت کار اور فلم ساز کی تھی۔ صاحب! فلم ہیرو کے بغیر تو چل سکتی ہے مگر کلاشنکوف کے بغیر نہیں۔ کلاشنکوف ہماری ہی فلموں کی مصروف "ہیروئن" نہیں بلکہ وہ تو "MISS UNIWORSE" ہے۔ ہماری تو پنجابی فلم کے ہیرو کے میک اپ کے سامان میں مونچھیں اور کلاشنکوف شامل ہوتی ہے۔

روس نے دنیا کی آبادی کم کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کیے ان میں کمیونزم اور کلاشنکوف شامل ہیں۔ مسٹر کلاشنکوف بیمار تھے جب انہوں نے یہ مہلک ہتھیار ایجاد کیا شاید اسی لئے ڈاکٹر کہتے ہیں بیماری کی حالت میں کام نہیں کرنا چاہیے۔ موصوف ہر وقت غصے سے کھولتے رہتے۔ کھولتے رہنے کا بس یہ فائدہ ہے کہ کھولتی چیز میں بیماری پیدا کرنے والے جراثیم زندہ نہیں رہتے۔ اپنی اس ایجاد کا بتانے جب وہ اٹھ کر صحن میں آئے تو زمین پر گر پڑے اور مٹی چوم لی۔ کس نے پوچھا یہ آپ نے وطن کی مٹی کی محبت کی وجہ سے کیا؟ اب کہتے ہیں نہیں کیلے کے چھلکے کی وجہ سے کیا۔ مسٹر کلاشنکوف آج کل یہ تحریک چلا رہے ہیں کہ کلاشنکوف حقیقی زندگی میں استعمال نہ کی جائے بس فلموں میں ہی چلائی جائے لیکن ہمارے وزیر اعظم جناب نواز شریف صاحب

نے کلاشنکوف کے فلموں میں استعمال پر پابندی لگا دی ہے۔ صاحب! اب ایسے ایسے ہتھیار بن رہے ہیں کہ کوئی ہم سے پوچھے کہ آپ کی کیا خواہش ہے اگلی صدی میں دنیا ہونی چاہیے۔" آئن سٹائن سے کسی نے پوچھا "تیسری جنگ عظیم میں کون سے ہتھیار استعمال ہوں گے تو انہوں نے کہا اس کا تو مجھے پتہ نہیں البتہ چوتھی جنگ عظیم میں جو ہتھیار استعمال ہوں گے وہ تیر کمان ہوں گے۔ آج کل دنیا میں تشدد کی بجائے عدم تشدد کے لئے زیادہ ہتھیار چاہیں۔ دنیا بھر میں اسلحے کا استعمال اتنا بڑھ گیا ہے کہ امریکہ میں اکثر بچے اسلحہ لے کر سکول جاتے ہیں جس کی وجہ سے تو سنا ہے' یہ ہے کہ استاد طلبہ سے آؤٹ آف کورس اور مشکل سوال پوچھتے ہیں مثلاً آپ کے والد کا نام کیا ہے؟ لیکن اس دور میں بھی ادیب مانتے ہیں کہ قلم کلاشنکوف سے زیادہ مفید ہے' واقعی کلاشنکوف سے آپ شلوار میں ازار بند تو نہیں ڈال سکتے ہماری حکومت بھی آج کل تشدد اور عریانی کا معاشرے کی بجائے فلموں میں خاتمہ چاہتی ہے کیونکہ ہماری فلمیں معاشرے کی عکاس نہیں ہمارا معاشرہ فلموں کا عکاس ہے۔ اس سے قبل ایک بار ایسا ہوا تو فلم سے ننگی تلوار بھی سنسر کردی گئی۔ کسی نے پوچھا ننگی تلوار بھی تشدد کے زمرے میں آتی ہے۔ کہا نہیں عریانی کے زمری میں۔ پولیس بھی آج کل عریاں فلمیں پکڑ رہی ہے ہم نے ایک حوالدر سے پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلتا ہے یہ فلم فحش ہے۔ کہا "فلم کو آخر تک دیکھنے سے۔"

صاحب! کسی نے کہا تھا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ درد سر دیکھنے میں کیسا ہوتا ہے؟ تو پنجابی فلم دیکھ لیں۔ اسی سپر ہوٹ فلمیں ہیں کہ جتنی مرضی دیکھ کے نکلو یہی لگتا ہے پوری دیکھ کے نکلے ہیں۔ ہمارے خیال میں اچھا اسٹارٹ اور اچھا اختتام فلموں کو قابل دید بنا سکتا بشرطیکہ درمیان میں کچھ نہ ہو۔ ہماری فلمیں بنانے کا فارمولا یہ ہے بارہ من بارود اور اتنی ہی ہیروئن لے کر بیک وقت دونوں کو چلا دیں۔ ہدایت کار فلم کو ایسے شوٹ کرتے ہیں کہ لگتا ہے کلاشنکوف سے شوٹ کی ہے۔ ایک فلم دوسری سے اتنی

ہی مختلف ہوتی ہے جتنا نغمہ نگار مشیر کاظمی صاحب کا گانا مختلف تھا۔ انہوں نے بھارتی گانا "ایک پیسہ دے جا بابو ایک پیسہ دے جا" کو ایک آنہ دے جا بابو ایک آنہ دے جا کردیا تو کسی نے کہا ایسا تو بھارتی گانا ہے تو مشیری کاظمی صاحب نے کہا دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پورے پانچ پیسوں کا فرق ہے۔ ہمارے چالیسویں سالگرہ کا چالیسواں منانے والے ہیرو' جو اس وقت سکرین پر دنیامیں سب سے زیادہ قتل کرنے والے ہیرو ہیں وہ اگر کہیں کہ میں نئی فلم کی کہانی سن کر آرہا ہوں تو یقین کرلیں یہی پوچھ کر آئے ہوں گے اس فلم میں مجھے کتنے قتل کرنے ہیں۔ وہ فلم کے شروع میں ہی ایسی کلاشنکوف چلاتے ہیں کہ لگتا ہے فلم کے آخر تک رائٹر اورڈائریکٹر کو بھی نہیں چھوڑیں گے لیکن سنا ہے ہماری فلم میں قتل نہ ہونا دراصل فلم ساز کا قتل ہوناہے۔ سو شکر ہے فلموں میں صرف کلاشنکوف پر پابندی لگی ہے۔ مقامی اسلحے یعنی گنڈاسے' برچھی' چھری اور ٹوکے کو نہیں ٹوکا گیا۔ پھر ہیرو تو لوگوں کو لڑنے سے روکنے کے لئے لڑتا ہے وہ بھی وکیل کی طرح آخری دم اور دام تک۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان میں دکھائی جانے والی انگریزی فلموں میں بھی کلاشنکوف سے ہی کام لیا جاتا ہے کیا انہیں بھی سنسر کیا جاسکے گا۔ ہماری تجویز یہ ہے جیسے سگریٹ نوشی کے مناظر کے بعد محکمہ صحت کا یہ اشتہار چلتا ہے "خبردار تمباکو صحت کے لئے مضر ہے" ایسے ہی کلاشنکوف کے مناظر کے بعد اشتہار محکمہ ثقافت کی طرف سے دیا جائے۔ "خبردار کلاشنکوف کوشی زندگی کے لئے مضر ہے" ویسے بھی اگر کلاشنکوف پر پابندی لگ گئی تو رائٹرز اور ڈائریکٹرز کو بڑی مشکل پیش آئے گی اب تو جو کردار ان کے قابو نہیں آتے انہیں "کلاشنکوف برد" کردیتے ہیں اس کے بغیر اکیلا ڈائریکٹر فلم کا وائنڈاپ نہ کرسکے گا۔ پھر فلم کے آخری سین میں تو ویسے بھی کلاشنکوف بہت ضروری ہے کہ اس کی آواز سے سارے فلم بین اٹھ جاتے ہیں ورنہ کون انہیں ہلا ہلا کر بتائے گا کہ اٹھ جاؤ فلم ختم گئی ہے۔

• ”انجمن“ ارائیاں

صاحب‘ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں ارائیوں کی انجمن کے بارے میں لکھنا چاہ رہا ہوں بلکہ میں امریکی صدر کلنٹن کی کامیابی کی انجمن ارائیوں میں شمولیت کے لئے اداکارہ ”انجمن“ کو ملنے والی دعوت پر لکھ رہا ہوں۔ ہمیں کلنٹن کے عقلمند ہونے پر کوئی شبہ نہیں اگر وہ عقلمند نہیں تو بھی ہمیں کوئی شبہ نہیں ہم ”شبہ طراز“ ہیں ہی نہیں۔ کلنٹن ان لوگوں میں سے کہ کوئی امریکیوں سے پوچھے ”صدر کون ہے؟“ تو وہ کہیں گے ”کس کا امریکہ کا یا کلنٹن کا؟“ انہیں بل بھی کہتے ہیں۔ 1946ء میں وہ مہینے کے شروع میں پیدا ہوئے شاید مہینے کے شروع ہوتے ہی بل آنے کی وجہ سے انہیں بل کہا جانے لگا تاہم پاکستان میں شریعت بل کے بعد واحد بل ہیں جن پر اتنا لکھا جارہا ہے۔ وہ جوان ہیں لیکن صاحب‘ ہم سے کوئی پوچھے ”امریکی صدر کے لیے کونسی عمر سب سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے؟“ تو جواب ہوگا ”اس کی بیوی کی عمر۔“

ارکنساس کے ڈیمو کریٹک گزٹ کالمسٹ نے لکھا ہے اس سے کہیں بہتر تھا کہ حکومت ہیلری کو چلانے کے لئے دے دی جائے کیونکہ ہیلری کو شروع ہی سے حکومت اور سائیکل چلانے کا شوق رہا ہے۔ بہرحال بل کلنٹن کا پہلے یہ تعارف ہوتا تھا یہ ہیلری کے خاوند ہیں۔ صدر بننے کے بعد یہ تبدیلی آئی ہے کہ اب لوگ کہتے ہیں ہیلری اس کی بیوی ہے۔ ہمیں تو لگتا ہے ہیلری نے ہی دنیا کی ایسی ”بڑی“ عورتوں کو حلف برداری کی تقریب پر مدعو کیا ہوگا‘ یوں یہ حلف برداری کی تقریب کچھ لوگوں کو مال برداری کی تقریب لگنے لگی ہے تاہم یہ ہیلری کی ”صحت مندانہ“ سرگرمیوں کی ابتدا ہے۔ کچھ اداکاراؤں نے اعتراض کیا ہے کہ انہیں پاکستان سے یہی ایک خاتون نظر آئی؟ ویسے امریکہ جتنی دور ہے اتنی دور سے تو انجمن صاحبہ ہی نظر آسکتی ہیں وہ فن کا سمندر تو نہیں فن کا پہاڑ ضرور ہیں اور پہاڑ میں یہی خامی ہے کہ بندے کو اسے پورا دیکھنے

کے لئے دور ہونا پڑتا ہے۔ اس کے نیچے کھڑے ہو کر آپ اس کی بلندی کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ پھر وہ اپنے ملک اور اپنے "ملک" کی نمائندہ ہیں' وہ پیدائشی اداکارہ ہی نہیں پیدائشی بڑی اداکارہ بھی ہیں وہ تو جب چھوٹی تھیں تب بھی چھوٹی نہ تھیں۔ انہیں ملک چین اور ملک مبین پسند ہیں۔ وہ اتنی بڑی اداکارہ ہیں کہ کلنٹن نے خود ان کے اپنے بقول "مجھے دو دعوت نامے بھیجے ہیں۔"

صاحب' تقریبات میں انہیں بٹھانے کے لئے منتظمین کو بھی دو کرسیاں ہی خالی کرانا پڑتی ہیں۔ ہوسکتا ہے اس تقریب میں کوئی ان سے پوچھے آپ کس ملک کی سربراہ ہیں اور وہ کہیں ملک مبین کی' ملک صاحب ان کے ساتھ یوں ہوتے ہیں جیسے انکم کے ساتھ ٹیکس۔ فلموں نے انہیں ملایا۔ فلم والوں کو ملانے کا اس قدر شوق ہوتا ہے کہ وہ تو "آج شب کو" یوں لکھتے ہیں "آجشبکو" دیکھنے میں تو انجمن باربرا بش کی طرح "بڑے پائے" کی خاتون ہیں۔

ہماری ایک فلم انڈیا کی پانچ فلموں کے برابر ہوتی ہے۔ یعنی ان کی پانچ فلموں کو ملا کر ہمارے رائٹرز ایک فلم بناتے ہیں۔ ایسے ہی ان کی پانچ ہیروئنیں مل کر ہماری ایک ہیروئین بنتی ہیں۔ اس میں ہمارا اشارہ چربہ سازی یا چربی سازی کی طرف نہیں۔ بہرحال ہمیں یہ لگ رہا ہے کہ جب باربرابش اور انجمن جیسی بین الاقوامی خواتین کے بارے میں خبر آئے گی کہ دونوں خواتین نے کھانے کے بعد باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا تو پتہ چلے گا دونوں ڈیٹنگ اور ڈائیٹنگ پر گفتگو کرتی رہیں۔ سیاست سے تو محترمہ کو اتنی ہی دلچسپی ہے کہ کسی نے پوچھا آپ نے اس بار کس کو سپورٹ کیا' تو جواب ملا میں تو اپنی ساری فیملی کو سپورٹ کرتی ہوں۔ ہوسکتا ہے کوئی پوچھے آپ امریکی صدروں کو جانتی ہیں۔ خاص طورپر واشنگٹن کے بارے میں آپ کیا کہیں گی؟" تو بولیں "واشنگٹن کی میں کئی بار سیر کرچکی ہوں' ملتان سے بڑا ہے۔" ممکن ہے واپس آکر وہ کہیں وہاں میری مس پسی سے ملاقات ہوئی وہ بھی میری فلموں کو پسند کرتی

ہے۔ کلنٹن سفید ہے مگر وہ اب سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ امریکہ کے سیاہ دور کی یادگاریں وہاں کے کالے ہیں۔ امریکہ میں بڑے کا ھلے صدر گزرے ہیں کالے نہیں' سنا ہے کئی صدر کالے بھی تھے' بندے کا چہرے نہیں دل دیکھنا چاہیے۔ بہرحال ہمیں تو اتنا پتہ ہے وائٹ ہاؤس وائٹ لوگوں کا ہاؤس ہے' اس لحاظ سے تو گوری کو بلانا چاہیے تھا۔ پتہ نہیں امریکیوں نے انجمن کا کونسا رنگ دیکھا ہے۔ ہوسکتا ہو کلنٹن کو محترمہ کی فلمیں پسند ہوں کیونکہ کلنٹن خود اتھلیٹ ہیں۔ لانگ جمپ کے کھلاڑی ہیں لیکن اگر بحیثیت اداکاری بلانا تھا تو پھر یہ حق کسی سیاست دان کا بنتا تھا' کہ پاکستان میں اتنی فلمیں انجمن کی نہیں چلتیں' جتنی سیاست دانوں کی' ہم خود پی ٹی وی پر ہر رات 9 پی ایم کے بعد پی ایم صاحب کی نئی فلم دیکھتے ہیں۔ بہرحال ہماری ساری ہمدردیاں انجمن کے ساتھ ہیں بلکہ اب تو ہمیں صدر کلنٹن سے بھی ہمدردی ہونے لگی ہے۔

○○○

• زبان درازیاں

صاحب' دنیا کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ مخش لفظ ہوتے ہیں لغت کہلاتی ہے۔ شاید اسی لئے اسے گھروں میں وہاں رکھا جاتا ہے جہاں بڑوں کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔

پتہ نہیں یہ قومی زبان کمیشن کے دست دراز میں کیسے آگئی کہ انہوں نے ''منصوبہ بندی'' کردی جس کے مطابق اردو کے آٹھ حروف تہجی کو تج کر نئی لغت کی تدوین و تالیف شروع کردی گئی۔ ضمیر جعفری صاحب نے اگرچہ یہ ہمارے بارے میں لکھا تھا کہ ڈاکٹر یونس بٹ ہیں تو کنوارے مگر فقرہ بڑا حاملہ لکھتے ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں ہر لکھنے والا تحریر کا باپ ہوتا ہے اور زبان کو منکوحہ سمجھتا ہے۔ شاید اسی لئے اس کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو ہمارے ہاں منکوحہ کے ساتھ کیا جاتاہے' بہر حال اس سے یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ قومی زبان کمشن نے 8 حروف کم کرنے کے لئے ''منصوبہ بندی'' کا لفظ کیوں برتا ہے۔انہوں نے کہا ہے 37 حروف میں سے ایک سی آواز والے آٹھ حروف مثلاً ث' ص پھر ز' ض' ظ یا غ' گ وغیرہ میں سے ایک ایک لغت میں رکھا جائے گا۔ اس پر ہم تو اعتراض نہ کرتے مگر گ کی جگہ غ کے آنے پر ہمارے گل جی کیسے غل نہ مچائیں' یہی نہیں کراٹے کے ماہر طائی صاحب بھی اس وار سے نہ بچ سکے تائی بن گئے۔ نام تک تو ٹھیک تھا یہاں تو جنس بھی یوں بدلی کہ جو پہلے انہیں چچا کہتے اب تائی کہیں گے۔

ہم زبان کے ماہر تو نہیں ایک دوست سے زبان کے ماہر کا پوچھا تو اس نے کہا علیحدہ سے تو کوئی نہیں ماہر امراض ناک کان گلہ ہی سے مشورہ لینا پڑے گا۔ ہمیں زبان اتنی پسند ہے کہ ہمیں دیکھتے ہی سری پائے والا زبان نکالنے لگتا ہے۔ بولنے کی حد تک ہماری تین زبانیں ہیں ایک وہ جو ہم بولتے ہیں دوسری وہ جو ہم بولنا چاہتے ہیں اور تیسری وہ جو ہمیں بولنا چاہیے' ویسے تو ہم چینی اور فرانسیسی بھی مقامی باشندوں کی طرح

بولتے ہیں' جی ہاں پنجاب کے مقامی باشندوں کی طرح۔ مگر ہم اردو بول رہے ہوں تو
خود اردو سپیکنگ لوگوں کو پتہ نہیں چلتا' سمجھتے ہیں پنجابی بول رہا ہے۔ ہمیں اردو زبان

اچھی لگتی ہے' پھر اردو بولنے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ آپ اس میں پنجابی
اور انگریزی بھی بول سکتے ہیں' جہاں تک پڑھنے کی بات ہے تو ہم خود چینی' فرانسیسی' جاپانی'
ہندی غرض یہ کہ دنیا کی ہر زبان پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اردو میں لکھی ہو۔ اگرچہ
ہمارے ہاں زبان کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے کہ بچہ وہی اچھا جو بڑوں کے سامنے
زبان استعمال نہ کرے۔ اس کو ادب کہتے ہیں حالانکہ زبان کے بغیر ادب تو کیا بے
ادبی بھی مشکل ہے۔ الفاظ خیالات کا لباس ہوتے ہیں شاید اسی لئے سب خواتین کو کم
بولنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں کسی بھی زبان میں سب سے قیمتی چیز
اس کے الفاظ کا درمیانی فاصلہ ہوتا ہے' بہرحال خیالات دماغ میں نہیں منہ میں بنے جاتے
ہیں اور منہ میں اپنی زبان ہونا چاہیے۔

ہوسکتا ہے قومی زبان کمشن نے یہ سب صرف اپنی زبان کھولنے کے لئے کیا ہو' ویسے
پچھلے دنوں نواز شریف صاحب پر ایک کتاب چھپی جس پر جہاں "طالع" کا نام لکھا تھا
اکثر دوستوں نے کہا یہ درست نہیں اصل لفظ "تابع" ہونا چاہیے تھا۔ اس دور میں جب
لکھنے والوں کی کہانی کا پلاٹ بھی کارنر کا پلاٹ ہوتا ہے' پھر حکومت صنعتوں کو فروغ
دینا چاہتی ہے ایسے صنعت ایہام' صنعت مراۃ" النظیر اور دیگر صنعتوں کو فروغ دینا
چاہیے اور حرفوں پر پابندی پر تین حرف بھیجنے چاہئیں تھے۔ لیکن لگتا ہے یہ سب مولانا
کوثر نیازی کے خلاف سازش ہے کہ "ث" نہ رہنے سے وہ مولانا کو شرنیازی بن جائیں
گے۔ ظرافت تک زر آفت بن جائے گی اور زر کے آفت ہونے پر ہنسی تو نہیں آتی
ہمیں بھی بڑے مسئلے ہوں گے اگر ظ کی جگہ ز آگئی تو ہم گورنر پنجاب کی تعریف میں
لکھیں گے کہ وہ حسن ظن سے کام لیتے ہیں تو لکھنا ہو گا حسن زن سے کام لیتے
ہیں جس پر کھر صاحب یاد آئیں گے اور اگر کھ کی جگہ خ آ گئی تو ہم کھر صاحب
کا ذکر کیسے کریں گے' ہاں اگر خ کی جگہ کھ آگئی تو پیپلز پارٹی کے شیخ رفیق صاحب

کھاندانی سیاست دان بن جائیں گے۔ ممکن ہے پھر اخبار نواب زادہ نصر اللہ خان صاحب کے "کل" جماعتوں کے اجلاس کو جماعتوں کے "قل" اجلاس لکھیں۔ اگر ق کی جگہ ک آ گیا تو پھر شاعروں کی قلبی واردات کلبی واردات بن جائے گی اور کلبی واردات میں مسئلہ یہ ہے کہ چودہ ٹیکے لگوانے پڑتے ہیں۔ لفظ "ضد" بھی اس "زد" میں آئے گا یا پھر "زم" کو "ضم" ہونا پڑے گا۔ یہ یہی نہیں اس پر قومی زبان کمیشن والے "ضمیمہ" بھی نکالیں گے تو وہ "زمیمہ" ہو گا۔ اگر ک کی جگہ ق نے لے لی تو ہم اداکارہ انجمن کو یہ کہیں گے کہ آپ کی کشش شکل ہمیں کھینچ لائی تو یوں لکھا پڑے گا کہ آپ کی کشش ثقل کھینچ لائی۔ الٹ صورت میں اداکارہ شکیل بھی "ثقیل" اداکار بن جائیں گے۔ بیوی کو کوئی "قابل غور" لکھے گا تو یوں لکھنا پڑے گا آپ "قابل گور" ہیں' ممکن ہے قابل کو بھی کابل لکھنا پڑے۔ صاحب "گرانے" والے "غرانے" والے بن جائیں گے۔ "غم" "گم" ہو جائے گا۔ مرگی کی دوا خانوں پر مرغی کے دوا خانے لکھا ہو گا۔ یہی نہیں شادی مرگ بھی شادی مرغ کہلائے گی۔ ممکن ہے اغلاط کو اغلات لکھا جائے پھر تو ہم اس "اغلات" کو "لغت" کی جمع ہی سمجھیں گے۔ سچی بات ہے "زبان" کے "ضبان" ہونے پر ہم سے "زبط" نہیں ہو رہا۔

○○○

• مدام صدام

کچھ عرصہ قبل ہالی وڈ کی پر لباس اداکارہ نے پریس کانفرنس میں اس سوال کے جواب میں کہ کس ہیرو کے ساتھ کام کرنے کی خواہش رکھتی ہیں' بتایا کہ میں ہیرو صدام

حسین کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہوں' تب تک ہم سے کوئی پوچھتا کہ آپ کے ہیرو کون کون سے ہیں تو ہم ان میں سلطان راہی کا نام لیا کرتے' کیونکہ جو ایک کو مارتا ہے' وہ قاتل کہلاتا ہے' جو بہت سوں کو مارے' وہ ہیرو اور جو سب کو مارتا ہے' وہ خدا کہلاتا ہے' سلطان راہی تو آج بھی ایسا ہی لگتا ہے' جیسا تیس سال پہلے تھا' یعنی اتنا ہی بھدا' لیکن وہ آج بھی فلموں میں آخری دم تک لڑتا ہے۔ جی ہاں دیکھنے والے کے آخری دم تک' ہر وقت خون و پان میں لت پت اس کے دانت دیکھ کر یہی لگتا ہے' یہ دانت دکھانے کے نہیں کھانے کے ہیں۔ آج بھی جس فلم میں بے تحاشا کردار اور اضافی لوگ کہانی کار کے بس میں نہ آئیں ہدایت کار سے بھی ختم نہ ہوں تو وہ سٹوڈیوز میں سلطان راہی کو ڈھونڈنے لگتے ہیں' مگر جب امریکی ادارے کی فلم "خلیج کی جنگ" میں صدام حسین کاسٹ کیا گیا' پھر ہر طرف اسی ہیرو کا نام لیا جانے گا' سو ہالی وڈ کی اداکارہ کے اس کے ساتھ کام کرنے کی خواہش انوکھی نہ لگی' مگر کل ایک بھارتی اداکارہ کا بیان پڑھ کر عجیب لگا' اداکارہ نے کہا ہے کہ میں دوسرے جنم میں صدام حسین بننا چاہتی ہوں۔

بھارت میں لوگ پہلے جنم میں کچھ نہیں بننا چاہتے' دوسرے جنم میں ہی سب بننا چاہتے ہیں' پھر وہاں بندر' گائے اور ایسے جانوروں کو اتنا بلند مقام حاصل ہے کہ کوئی دوسرے جنم میں انسان بننے کی خواہش کرے تو پنڈت اسے غیر انسانی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں' البتہ 1991ء میں ایک بھارتی کھلاڑی نے کہا تھا میں اگلے جنم میں اندرا گاندھی بننا چاہوں گا' پوچھنے والے نے کہا گویا اگلے جنم میں آپ عورت بننا چاہیں گے' کہا نہیں

میں اندرا گاندھی بننا چاہوں گا۔ صدام حسین اس خواہش پر پتا نہیں کیا کہتے ہیں۔ ایک اداکارہ نے برناڈشا کو کہا اگلے جنم میں میں برناڈشا بننا پسند کروں گی تو برناڈشا نے کہا اگر ایسا ہوا تو میں ہر گز برناڈشا بننا پسند نہ کروں گا۔

امریکی مزاح نگار دول راجرز کہتا ہے' دنیا کا سب سے مختصر ترین مدت کا پیشہ زندہ قومی ہیرو ہونا ہوتا ہے۔ واقعی ہم تو اپنے ہیروؤں کی یاد منانا چاہتے ہیں' اسی لئے اسے زیادہ دیر زندہ نہیں چھوڑتے' ویسے بھی گھوڑے اور بھگوڑے جب تک بھاگتے رہتے ہیں' زندہ رہتے ہیں' مگر ہیرو وہی زندہ رہتا ہے' جو مر چکا ہوتا ہے' صدام وہ مدام ہیرو ہے جو ابھی تک زندہ ہے' مرد کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ مرد ہو۔ اور صدام وہ مرد ہے' جس کا نام لے کر امریکی بچے اپنی ماؤں کو ڈراتے ہیں' وہ کبھی نہیں رویا صرف اپنے پیدا ہونے پر ایک بار رویا تھا۔ ایسے بڑے لوگ مدتوں بعد پیدا ہوتے ہیں' اب تو پیدا ہونے والے اور بھی کم ہوگئے ہیں' کیونکہ محکمہ منصوبہ بندی بہت تیز ہو گیا ہے۔

صدام وہ ہیرو ہے' جس کا میک اپ گولہ بارود سے ہوتا ہے' جبکہ اداکارائیں تو خود گولہ بارود ہوتی ہیں اور گولہ بارود ہوتا ہی چلنے کے لئے ہے۔ صدام وہ اکیلا ہے' جس پر 39 ممالک چڑھ دوڑے شاید یہی بات اس اداکارہ کو ہانٹ کرتی وہ' پھر بھی اس اداکار کی عمر لڑکے دیکھنے کی ہے لڑ۔کے دیکھنے کی نہیں' مگر کیا کریں اردو ادب میں حسینہ مانتے ہی اسے ہیں' جس کی آمد جنگ آمد ہو' محبوبہ کہلاتی ہی وہ ہے جو جہاں سے گزرتی ہے' قتل عام کرتی جاتی ہے' عاشق تو اسے میرا قاتل کہہ کر بلاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے' یہ اداکارہ محبوبہ کل بننا چاہتی ہو بلکہ محبوبہ قل کہلانا چاہ رہی ہو۔

الحمراء کی ایک تقریب میں دو بچوں کے مکالمے تھے۔

پہلا بچہ! میں بڑا ہو کر امجد اسلام امجد بنوں گا۔

دوسرا بچہ! اوں ہوں' وہ تو تم بن ہی نہیں سکتے' بڑا مشکل ہے۔

پہلا بچہ! کیوں؟

دوسرا بچہ! اتنا بڑا گنج کہاں سے لاؤ گے۔

ایسی ہی ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اداکارہ صدام حسین نہیں بن سکتی' کیونکہ صدام حسین تو ہر وقت کپڑے پہنے ہوتا ہے اور محترمہ پیدائشی اداکارہ ہیں' یعنی آج بھی اکثر ایسی ہی ہوتی ہیں' جیسی پیدا ہوئی تھیں۔ صدام نے تو فوجی وردی کے بغیر کبھی خود کو بھی نہیں دیکھا اور وردی پہن کر بندہ ایذا کاری تو کرسکتا ہے' اداکاری نہیں۔ اسی لئے برطانوی فوجیوں کو ہدایت ہے کہ کوئی ایسی حرکت کرنے لگو تو پہلے اپنی وردی اتارلو' پھر فوجی اتنے عملی ہوتے ہیں کہ ان کے منہ اتنے نہیں بولتے' جتنے جوتے۔ اور اس محترمہ کو ایک دن چپ رہنا پڑا تو دم گھٹنے سے مرجائیں گی' یوں بھی یہ مادام صدام کیسے بن سکتی ہیں' یہ دوبارہ پیدا ہونے کی بات کررہی ہیں' جب کہ صدام کبھی پیدا ہونے کی نہیں ہمیشہ مرنے کی بات کرتا ہے۔

○○○

• حبیب غالب صاحب

حبیب جالب صاحب نے کہا ہے کہ مجھ پر اتنا ٹارچر پولیس نے نہیں کیا جتنا شاعروں نے کیا ہے' جالب صاحب کے شعر اتنے واضح ہوتے ہیں کہ پڑھ کر لگتا ہے اخبار کی ہیڈ لائن پڑھی ہے مگر یہ بیان پڑھ کر سمجھ نہیں آئی کہ انہوں نے ٹارچر دینے میں ناکام ہونے پر پولیس کی مذمت کی ہے یا ان کی تعریف کی ہے۔ جبیب جالب صاحب فیض سے بڑے قد کے شاعر ہیں' جنہوں نے دونوں کو اکٹھے کھڑے دیکھا ہے' وہ اس سے اتفاق بھی کریں گے۔ ہمارے ہاں اگر کسی شاعر کو کہا جائے کہ وہ آج کا غالب ہے تو اس سے مراد یہی ہوگی کہ یہ بھی کسمپرسی میں ادھار پر گزارا کرتا ہے۔ بہرحال حبیب جالب صاحب دوسرے شاعروں کو اولاد ذوق کہتے ہیں' شکر ہے اولاد بے ذوق نہیں کہا' یوں ہم حبیب جالب کو حبیب غالب کہہ سکتے ہیں۔ غالب کی طرح انہوں نے بھی زندگی کی اتنی کڑواہٹیں چکھی ہیں کہ اب تو کوئی خوشی کی خبر سنائے تو اسے یہ نہیں کہتے منہ میٹھا کرواؤ' کہتے ہیں منہ کڑوا کرواؤ' حبیب غالب بھی جھکنا نہیں جانتے جھکنے سے بچنے کے لیے انہوں نے جو کچھ کیا ان میں تسموں والے جوتے پہننا ترک کرنا بھی شامل ہے۔ ایک بار وہ اداکارہ انجمن کو دیکھتے ہوتے بتا رہے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں بڑی بڑی "مصیبتیں" دیکھی ہیں وہ ایسی ڈرا دینے والی نظمیں لکھتے ہیں کہ ان کے گرد پولیس اور خفیہ والوں کہ پہرہ نہ ہوتا تو خود اپنی نظموں سے ڈرتے رہتے۔ وہ رکشے میں بیٹھ کر اسے کہتے کہ مجھے گھر چھوڑ آؤ تو وہ انہیں سیدھا سنٹرل جیل لے جاتا۔ کسی دانشور نے کہا ہے کہ دنیا میں تین قابل احترام ہستیاں ہیں' مبلغ' مجاہد اور شاعر' ہمیں تو تینوں میں لڑائی کے علاوہ کوئی قدر مشترک نہیں لگتی' سکول کے زمانے میں ہم نے جب یہ مصرع پڑھا۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب

ہمارا خیال تھا یہ شعر آتش اور غالب دونوں نے مل کر لکھا ہے' بعد میں پتہ چلا کہ جہاں دو شاعر ہوں' وہاں تین آراء ہوتی ہیں۔ رشید احمد صدیقی کی طرح ہمیں شعر یاد نہیں رہتے' جو یاد رہتے ہیں' وہ شعر نہیں رہتے۔ پہلے زمانوں کے شاعروں کی شکلیں دیکھ کر یہی کہ سکتے ہیں کہ وہ جتنا اپنے شعر کے وزن کا خیال رکھتے' اتنا اپنے وزن کا رکھتے تو شاعر کی بجائے صحت مند نظر آتے۔ ایم بی وائٹ نے کہا ہے' وہ تمام شاعر ہوتے ہیں' اس حساب سے تو اپنے شاعروں کا کلام پڑھ کر ہمیں خود پر بڑے شاعر کا گمان ہوتا ہے لیکن ہم تو شاعری پڑھ کر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہر معاملے میں نتیجے پر نہیں' پہنچنا چاہیے۔ ویسے سب شاعر برے ہی نہیں ہوتے' کچھ بہت برے بھی ہوتے ہیں' تاہم ان کی شاعری کو ناپسند کرنے کی دو وجوں ہوسکتی ہیں' جس میں سے ایک یہ ہے کہ آپ شاعری پڑھتے ہیں' شاعروں کے لئے مشاعرے دراصل مشاہرے ہوتے ہیں' اگرچہ مشاعروں میں جب شاعر شعر سناتے ہیں تو یہی لگتا ہے۔ جن کو سنایا جارہا ہے' یہ سب ست اور کاہل ہیں' جو خود نہیں پڑھ سکتے۔ ہم انہیں ان پڑھ نہیں کہتے' کیونکہ ان پڑھ ہوتے تو مہمان خصوصی بنے حکومت کی نمائندگی کررہے ہوتے۔ یہ مشاعرے دراصل شاعروں کے لئے ٹارچر سل ہیں' ان کے لئے سب سے بڑا ٹارچر یہ ہوتا ہے' انہیں یہاں نہ لایا جائے اور اس سے بڑا ٹارچر یہ ہوتا ہے کہ شاعر کو مشاعرے میں بلا کر نہ پڑھوایا جائے شاعروں کے ساتھ رہنا بھی ٹارچر ہی ہوتا ہے' قافیہ پیمائی سے دوسرے کا قافیہ تنگ کر دیتے ہیں۔ ہمارے دوست شاعر عباس تابش تعطیلات پر لالہ موسی سے لاہور آتے ہیں اور ہفتہ دس دن کے بعد واپس لوٹتے ہیں تو ان کا روم میٹ یہی کہتا ہے' ہم آپ کی تعطیلات سے بہت لطف اندوز ہوئے۔ اسد اللہ خان غالب کو جب کوتوال شہر نے جیل میں سخت سزا دینا چاہی تو کوٹھڑی میں ان پر شاعر سپاہی متعین کردیا' جو دن رات غالب کو شعر و کوب کرتا رہتا۔ ہم نے مانا کہ شاعر کو سب سے زیادہ اذیت شاعر ہی دے سکتا ہے۔ اقبال ساجد مرحوم کے آخری ایام میں ہم نے اس پر تحقیق کی کہ عمر بھر اس مظلوم شاعر کو سب سے زیادہ ٹارچر کس نے دیئے تو ایک شاعر ہی نکلا اور

اس کا نام تھا اقبال ساجد۔

○○○

- **سوا۔ ۔ ۔ ۔ لاتے**

صاحب! مقامی کالج میں بی اے پنجابی کے پرچے پر اعلانیہ بوٹی مافیا نے پانچ سو روپے فی سوال ریٹ کا اعلان کیا تو ہمیں بہت دکھ ہوا ہم جانتے ہیں سوالاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے پھر بھی ہم سمجھتے ہیں یہ طلبہ سے زیادہ پنجابی زبان کے ساتھ زیادتی ہے کہ اسی سینٹر پر انگریزی کے پرچے میں فی سوال نقل کرانے کا ریٹ دو تین ہزار روپے رہا تو پنجابی کو اتنی سستی زبان کیوں سمجھا گیا؟ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ انگریزی میڈان انگلینڈ ہے اور پنجابی یہاں کی بنی ہوئی ہے انگریزی سے ہمارے لیڈروں کو بھی اتنا لگاؤ ہے کہ ہمارے ایک وزیر ایسے ہیں جنھوں نے جب بھی بی اے کا امتحان دیا انگریزی کاپرچہ ضرور دیا ویسے انگلینڈ میں انگریزی کا یہ حال ہے کہ جو کوئی وہاں گرائمر کے حساب سے صحیح انگریزی بول رہا ہو فوراً پتہ چل جاتا ہے یہ مقامی نہیں ہم زبانوں کے بارے میں اتنا ہی علم رکھتے ہیں کہ ہمیں علم ہے لاہور میں کس سری پائے کی دکان پر اعلیٰ زبان ملتی ہے۔ بحیثیت پاکستانی ہم سمجھتے ہیں بندے کے منہ میں اپنی زبان ہونا چاہیے کسی اور کی زبان ہوض تو مخاشی کے زمرے میں آتا ہے اس کے باوجود ہر منہ میں کسی انگریز کی زبان ملتی ہے صاحب ہمارے لوگ تو فقرے کے آخر میں جی بھی کہیں تو لہجہ ایسا ہو گا کہ جیسے یہ جی انگریزی کا ہے انگریزی سے ہمیں چھٹی کا دودھ یاد آگیا جب ہم نے چھٹی جماعت مید دودھ دوہنے کی انزیزی واشنگ ملک لکھی تو ٹیچر نے کہا بڑی غلط زبان لکھی ہے تب سے ہم انگریزی کو غلط زبان سمجھتے ہیں۔

جہاں تک پنجابی کا تعلق ہے تو جماعت اسلامی کے سابق امیر میاں طفیل محمد صاحب نے ایک بار کہاکہ پنجابی گالیوں کی زبان ہے یہ بات انھوں نے پنجابی میں کی ہم نے اپنے بچوں کو انگریزی اردو پڑھانے کے لئے ٹیوٹر اور پنجابی بھلانے کے لئے ممی رکھی ہوتی ہے پنجابی تو پنجابیوں کے گھر کی لونڈی ہے اور اس کے ساھت وہی سلوک ہو رہا ہے اس

کے باوجود ہم پنجابی زبان پر ماہرانہ رالے نہیں دے سکتے مگر امتحانوں پر دے سکتے ہیں
کیونکہ ہم اتنی مرتبہ کلاس روم میں نہ گئے ہوں گے جتنی بار کمرہ امتحان میں گئے اس

کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں پڑھنے کا شوق نہیں رہا ہمیں تو اتنا شوق تھا کہ کمرہ امنتحان
میں بھی جہاں دوسرے لکھ رہے ہوتے ہم وہاں بھی پرچہ پڑھ ہی رہے ہوتے فی زمانہ
امتحانوں میں صرف یہی خوبی ہے کہ یہ ملتوی ہوجاتے ہیں جیسے بقول یوسفی ہر آمر میں
یہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ گزر جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں قوم اور طالب علموں کو بار
بار امتحانوں سے اس لئے گزارا جاتا ہے کہ "نگراں کا کاروبار چلے"
پھر پولیس کو علم کی اہمیت سے آگہی ہوتی ہے جب ان کی ڈیوٹی کسی امتحانی سنٹر پر
لگتی ہے تو انہیں پتہ چلتا ہے علم ایک دولت ہے اور تعلیم سے تعلیم یافتہ سے زیادہ کیسے
کمایا جاتا ہے؟ ان سنٹروں پر پرچہ رکوانے کے لیے وہی کچھ کرنا پڑتا ہے جو تھانوں میں
پرچہ کروانے کے لئے۔ پچھلے چند سالوں سے ان سنٹروں پر بڑی بد عنوانیاں ہونے لگی
تھیں ایک ہی سوال کی نقل کے کسی سے سات سو لئے جاتے اور کسی سے اسی سوال
کے دو ہزار جس کا محکمہ تعلیم نے سخت نوٹس لیا اب تو بوٹی مافیا والے باقاعدہ اعلان کرتے
ہیں کہ فی سوال اتنے روپے ریٹ ہے اس سے زیادہ لینے والا پولیس حوالہ نہ دے۔
سابق وزیر تعلیم نے ایسے انتظامات کئے کہ نقل آدھی ہو گئی یہ انہوں نے ایسے کیا
جہاں پہلے سال میں دس امتحان ہوتے تھے انہوں نے پانچ کردئے یوں نقل فوری طور پر
آدھی ہوگئی ان کے ہوتے ہوئے امید تھی کہ نقل سو فیصد ختم ہوجائے گی جس کا
ایک طریقہ تو یہ ہے کہ نقل کو پرائیویٹ سیکٹر سے لے کر گورنمنٹ سیکٹر میں دے دیا
جائے۔ محاورہ ہے روم ایک دن میں نہیں بنا جس کی وجہ یہی ہوگی کہ روم گورنمنٹ
نے بنایا ہوگا گورنمنٹ ایک دن میں روم تو کیا کلاس روم نہیں بنا سکتی سو نقل کم
ہونے لگے گی لیکن گورنمنٹ سیکٹر میں ہونے والی نقل ایس یہ ہوگی جیسے ایک طالب
عمل کا پرچہ دیکھنے کا ہمیں بھی موقعہ ملا اس نے لکھا تھا مولانا ابوالکلام آزاد کھیم کرن

کے میدان میں پیدا ہوئے۔
طلبہ آج کل جو سیکھتے ہیں کمرہ امتحان سے ہی سیکھتے ہیں ورنہ کلاس میں تو ہم نے بھی یہی سیکھا تھا کہ ہونٹ ہلائے بغیر سیٹی کیسے بجا سکتے ہیں؟ پنجابی سے ہمیں محبت ہے ہمارے ہاں ہر اس کے محبت ہوتی ہے جسے اپنا نہ سکیں۔ ہم کبھی پنجابی میں فیل نہیں ہوئے جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمیں پنجابی بہت آتی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے پنجابی کا کبھی امتحان ہی نہیں دیا۔ ویسے ہو سکتا ہے بوٹی مافیا نے پانچ سو روپے فی سوال پنجابی زبان سے محبت کی وجہ سے رکھا ہو تا کہ سستے داموں پنجابی کی تعلیم کو فروغ مل سکے اور زیادہ سے زیادہ لوگ پنجابی کا امتحان دیں ممکن ہے وہ پنجابی سے اور محبت کا اظہار کرتے ہوئے یہ اعلان کریں کہ جو ہر سال بی اے انگریزی کا پرچہ ہم سے کروائے گا اس کا پنجابی کا پرچہ مفت کروایا جائے گا۔

○○○

- ## گار ..... و ...... بار

کاروبار کے شروع میں کار آتا ہے اور کاروبار کا آخر ہوتا ہے "بار" پر۔ وہ کاروبار جو شروع ہی کار سے ہو' وہ ٹیکسیوں کا ہی ہو سکتا ہے مگر وفاقی دارالحکومت کی جامع مسجد کے مولانا صاحب نے لال پیلے ہو کر پیلی ٹیکسیوں کا کاروبار ناجائز قرار دے دیا ہے۔ یوں جس کا بھی پیلی ٹیکسیوں سے تعلق ہے' وہ ناجائز ہے۔ مولانا نے یہ واضح نہیں کیا کہ کیا جو ٹیکسیاں پیلی نہیں ہیں ان کا کاروبار جائز ہے۔ صاحب ان کی طرح ہمیں بھی پیلے رنگ میں صرف ہاتھ پیلے کرنا ہی پسند ہے لیکن انہیں اس کی اتنی فکر ہے کہ لوگ انہیں اہل فکر سمجھنے لگے ہیں۔ سنا ہے۔ پہلے ان کے پسندیدہ مقامات میں افغانستان میں مزار شریف اور پاکستان میں نواز شریف تھا۔ ہمارے ملک کی آبادی اس رفتار سے بڑھ رہی ہے کہ دوسرے ممالک میں تو سال بعد لیبر ڈے منایا جاتا ہے' ہمارے ہاں گھروں میں ہر نو ماہ بعد لیبر ڈے ہوتا ہے۔ یوں زندگی کے ادوار بچپن' جوانی اور بڑھاپن نہیں رہے۔ بچپن' بے روزگاری اور بڑھاپا ہوگئے ہیں۔ ٹیکسی سکیم سے ان بیروزگاروں کے ساتھ ٹریفک پولیس کانسٹیبلوں کے گھر کا خرچہ چلنے لگا تھا۔ غریبوں کو قسطوں پر نئی ٹیکسیاں دی گئیں۔ نئی ٹیکسیاں دینے کی وجہ بھی شاید یہ تھی کہ جیسے حامد رانا نے نئی سوزوکی لی تو دوست نے پوچھا آپ نے نئی سوزوکی خریدی ہے؟ کہا "ہاں بھئی غریب آدمی ہوں پرانی افورڈ نہیں کرسکتا" اس سے قبل جو ٹیکسیاں شروع میں چلتی تھیں' ان کے رنگ پیلے تو نہ تھے مگر اس میں بیٹھنے والے کا رنگ پیلا ضرور ہوتا تھا۔ ہمیں ایک ایسی ٹیکسی میں بیٹھنے کا موقع ملا' اس کا سپیڈو میٹر ہی نہیں تھا۔ پوچھا "آپ کو اس کی سپیڈ کا کیسے پتہ چلتا ہے؟ کہا "جب بونٹ کھڑکھڑانے لگے تو رفتار 20 میل فی گھنٹہ ہے اگر دروازے کھڑکھڑانے لگیں تو تیس میل فی گھنٹہ اور اگر میں کھڑکھڑانے لگوں تو رفتار ساٹھ میل فی گھنٹہ ہوگی "پوچھا" یہ کیسے پتہ چلے گا رفتار ساٹھ سے زیادہ ہو

گئی ہے" کہا "اگر گاڑی چلتی چلتی یک دم رک جائے تو سمجھ لیں رفتار ساٹھ سے زیادہ ہو گئی ہے" ہارن نہ تھا' کہنے لگا "اس کی ضرورت نہیں ہر پرنہ یہ ایکسٹرا کام بھی کرتا ہے" کہتے ہیں ٹیکسی کو یکجا رکھنے کے لئے ہزاروں نٹ بولٹ چاہئیں ہوتے ہیں اور نہ رکھنے کے لئے ایک نٹ بلکہ نٹ کھٹ۔ اگلے بمپر کو سامنے سے ٹکر لگنے کی صورت میں بچانے کے لئے پچھلے بمپر کی جگہ لگایا ہوا تھا اور پچھلے بمپرکو پیچھے سے ٹکر لگنے سے بچانے کے لئے آگے لگا رکھا تھا۔ پوچھا "بریکوں کا یہ عالم ہے تو اگر فوراً ٹیکسی روکناہو تو کیا کرتے ہیں" کہا "کھمبا ڈھونڈتے ہیں" ایک صاحب امریکہ میں ٹیکسی چلایا کرتے تھے ایک بار بہت تیز رفتاری سے جارہے تھے وجہ پوچھی تو کہا میری بریکیں فیل ہو گئی ہیں اور میں کوئی حادثہ ہونے سے پہلے پہلے گھر پہنچنا چاہتا ہوں' اس لئے تیز چلا رہا ہوں۔

ان ٹیکیوں کے علاوہ ویگنیں ہیں۔ ویگن تو یوں چلتی ہے جیسے گن چلتی ہے۔ ویسے ہمارا ایک دوست ویگنوں کے بزنس کی وجہ سے بہت مالدار ہو گیا ہے۔ جی' پہلے اس ڈاکٹر کا ہڈیوں کا چھوٹا سا ہسپتال تھا' اب کئی ہو گئے ہیں۔ پچھلے دنوں قبل از تاریخ کے انسانی ڈھانچے ملے جو یوں تھے کہ ان کی ٹانگیں ان کی گردنوں کے گرد لپٹی ہوئی تھیں جو ظاہر کرتا ہے ویگنیں اس زمانے میں بھی ہوتی تھیں ہم ہمیشہ ہاف سڑک ویگن کے لئے چھوڑ دیتے ہیں مگر یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اسے کون سا ہاف چاہیے۔ ہم کار پر ہسپتال جاتے ہیں اور اکثر ویگنوں کی وجہ سے جلدی ہسپتال پہنچ جاتے ہیں کیونکہ اگر ویگن ڈرائیور ہاتھ باہر نکالے تو خاتون ڈرائیور کی طرح اس کا مطلب ہو گا یا تو یہ دائیں مڑنا چاہتا ہے یا بائیں مڑنا چاہتا ہے شاید بیک کرنا چاہتا ہے یا رکنے کا ارادہ ہے یا کسی واقف کو ہیلو ہیلو کر رہا ہے خواتین کی ڈرائیونگ بہتر کرنے کا تو یہ طریقہ ہے کہ سڑکیں شیشے کی طرح صاف رکھیں پھر وہ آنکھیں سڑک سے نہ ہٹائیں گی مگر ویگن سڑک پر نہیں چلتی سواریوں پر چلی ہے۔ ویگنوں کا صرف یہ فائدہ ہے کہ جس علاقے میں یہ

چلنا شروع ہو جائیں' وہاں چوریاں ہونا کم ہوجاتی ہیں کیونکہ ان کا شور اتنا ہوتا ہے کہ علاقے والے سو ہی نہیں پاتے۔ نئ پیلی ٹیکسیوں میں ایک تو یہ خوبی ہے کہ یہ پرانی نہیں ہیں اور پھر اسے چلاتے بھی پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ ویسے بھی ٹیکسی وہ گاڑی ہوتی ہے جسے ہمیشہ پچھلی سیٹ پر بیھٹنے والا چلاتا ہے۔ اتنی پیلی ٹیکسیاں آنے سے اگر کوئی مسئلہ پیدا ہوا ہے تو وہ پارکنگ کا ہے مگر یہ مسئلہ بھی "جائز" ہے۔ ایک امریکی مزاح نگار نے لکھا کہ میں نے پارکنگ کا مسئلہ حل کرلیا ہے' پوچھا کیسے؟ کہا اس بار میں ایک پارک کی ہوئی کار خریدی ہے۔ ویسے ڈرائیوروں کو نشہ کرنے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ پارکنگ کے لئے جگہ نہ ہو پھر بھی گاڑی پارک کر سکتے ہیں۔

ہم تو یہ سمجھتے ہیں بیوی اور بیروزگار گاڑی چلانا چاہے تو اس کے راستے میں نہیں آنا چاہیے لیکن ممکن ہے مولانا پیشہ ورانہ رقابت کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہوں کہ فی زمانہ سب سے زیادہ اللہ کو یاد ٹیکسی میں بیٹھنے والے ہی کرتے ہیں کیونکہ یہ پتہ نہیں مولانا بندے کو کتنا اللہ کے پاس پہنچا سکتے ہیں۔ یہ پتہ ہے کہ ٹیکسیوں والے پل بھر میں بندے کو اللہ کے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ ویسے ممکن ہے مولانا کا یہ بیان پیلی ٹیکسیوں کی پبلسٹی کمپین کا حصہ ہو جیسے ہمارے ہاں تعلقات کے ساتھ ناجائز کا لفظ لگ جائے تو تعلقات میں دلکشی آ جاتی ہے' ایسے ہی وہ چاہتے ہوں لوگ اس کاروبار کو ناجائز سمجھ کریں یعنی دلجمعی سے کریں۔

○○○

• Bitter Half

صاحب! امریکی خاتون اول ہیلری نے صدر کلنٹن کی زندگی پر جو انمٹ نقوش چھوڑے ان میں سے ایک پچھلے دنوں صحافیوں نے کلنٹن کے گال پر دیکھ لیا جو ان کے لئے ایک "گالی" بن گیا۔ سی آئی اے والے تو ایسی تمام اشیاء کی لسٹیں بنانے کے لئے تحقیق کررہے ہیں جن سے ایسا زخم لگایا جاسکتا ہے تاکہ یہ چیزیں وائٹ ہاؤس سے بلیک کر دی جائیں۔ اگرچہ اس پر تحقیق کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ چیزیں تو کوئی بھی خاوند منٹ میں گنوادے گا۔ البتہ وائٹ ہاؤس میں ان چیزوں کی لسٹ بنائی گئی جن سے صدر کو چوٹ لگنے کا اندیشہ رہتا ہے تو اس لسٹ میں ہلری کلنٹن سر فہرست ہوں گی۔ ہلری کا جغرافیہ بھی اس کی ہسٹری بتاتا ہے۔ وہ ان خواتین میں سے ہیں جو ایکسرے کھنچواتے وقت بھی یہی کوشش کرتی ہیں کہ وہ ایکسرے میں حسین نظر آئیں۔ اگرچہ ماڈلنگ امریکہ میں لڑکیوں کا بہترین پیشہ ہے جو اچھی ماڈل ہوتی ہیں وہ اچھا خاصا کما لیتی ہے جو بری ہوتی ہے وہ اس سے زیادہ کما لیتی ہے۔ لیکن ہلری وکیل ہے۔ بیوی وکیل ہوتو گھر اس عدالت کو کہتے ہیں جو چوبیں گھنٹے کھلی رہے ہلری اپنے خاوند کے ساتھ وائٹ ہاؤس میں نہیں آئیں بلکہ خاوند کو ساتھ لیکر وائیٹ ہاؤس آئیں۔ کہتے ہیں خاتون اول بننے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اب صدر سے شادی کرلیں حالانکہ صدر بننے کے لئے جو عمر کی حد رکھی گئی ہے اس حساب سے تو آپ کسی صدر سے شادی کریں گی تو آپ خاتون سوم' چہارم تو ہو سکتی ہیں اول نہیں۔ اگرچہ کوئی ہم سے پوچھے کہ امریکہ تیسری شادی کب کرتے ہیں؟ تو ہم یہی کہیں گے دوسری شادی کے بعد۔ اچھا خاوند ہمیشہ کسی اچھی بیوی کی تخلیق ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں کھر صاحب سے بڑے بڑے خاوند گزرے ہیں مگر کلنٹن سے مقبول خاوند کوئی نہ گزرا ہوگا جنہیں تقریباً تمام امریکی شادی شدہ عورتوں نے ووٹ دیئے کنواریوں کے ووٹ بھی مل سکتے تھے اگر ووٹر کی حد عمر

اٹھارہ سال کے بجائے آٹھ سال ہوتی۔ کلنٹن اس سے بہتر نہیں دیکھ سکتے جو وہ انہیں دکھاتی ہیں۔ جب وہ ارکنساس میں تھے تو ایک صحافی نے دونوں کو دیکھ کر کہا دوسرے سے کہا مجھے دونوں کا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ ٹھیک نہیں لگتا" تو دوسرے نے کہا واقعی مجھے بھی یہ دونوں میاں بیوی لگتے ہیں۔ لوگ دور سے انہیں آتا دیکھ کر پہچان لیتے کہ ان میں سے ایک بیوی ہے اور دوسرا خاوند۔ دونوں خوشی خوشی رہتے۔ ہلری غصے میں آ کر جو ملتا کلنٹن کو دے مارتیں اگر نشانہ لگ جاتا تو ہلری خوش ہوجاتیں نہ لگتا تو کلنٹن خوش ہوجاتے۔ بہر حال اب وقت کے ساتھ یہ بدتری ہوئی ہے کہ ہلری کا نشانہ بہتر ہوگیا ہے۔ یوں ہلری کی خوشی کے نشان صدر کلنٹ کے چہرے پر نظر آنے لگے ہیں۔ امریکی ایوان صدر نے یہ نظارہ خاتون اول ناہید سکندر مرزا کے دور میں دیکھا۔ یہ وہی غیرت ناہید ہیں جنھوں نے ایوان صدر سے گدھ اور کوے اڑانے کے لئے الگ اے ڈی سی رسالدار میجر اصغر علی رکھاہوا تھا۔ جو سارا دن انتظار کرتا رہتا کہ کوے اور گدھ بیٹھیں تا کہ وہ انہیں اڑا سکے کبھی کبھی تو اڑانے کے لئے بہت محنت کرنا پڑتی یعنی پہلے "دانہ" ڈال کرانہیں بٹھایا جاتا تا کہ اڑایا جاسکے ابھی تک ایوان صدر میں یہی طریقہ رائج ہے۔

کچھ کہتے ہیں امریکہ کی خاتون صدر ہے جب کہ کچھ کہتے ہیں صدر خاتون ہیں بہرحال ہمیں اتنا پتہ ہے کہ ہلری کو اتنا کام کرنا پڑتا ہے کہ ان کے پاس یہ سوچنے کاوقت نہیں ہوتا کہ وہ صدر ہیں یا کلنٹن۔ ان کی بیٹی سے سکول والوں نے پوچھا ہم آپ کے سلسلے میں آپ کے والدین سے ملنا چاہتے ہیں بتاؤ آپ کی ممی سے ملیں یا پاپا سے۔ تو بیٹی نے کہا ممی تو بہت مصروف ہوتی ہیں آپ پاپا سے مل لیں وہ فارغ ہوتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہوئی کہ ہلری اپنی اتنی مصروفیات میں سے میاں بیوی رہنے کے لئے بھی وقت نکال لیتی ہیں۔ کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں جو میاں بیوی ایک دوسرے سے نہیں لڑتے وہ ایک دوسرے کو میاں بیوی مانتے نہیں ہیں۔ کلنٹن ہلری کو انہیں سنبھال سکتے ہلری کو ہی نہیں سنبھالنا پڑتا ہے۔ ویسے بھی امریکی بیویاں بڑی وفادار ہوتی ہیں وہاں کی

ایک اداکارہ نے عدالت میں کہا ہے میں اپنے خاوند سے طلاق لینا چاہتی ہوں۔ جج نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا اس لئے کہ یہ وفا شعار نہیں۔ جج نے پوچھا "محترمہ آپ یہ بات کیسے کہہ سکتی ہیں؟" کہا "مائی لارڈ' میرے ایک بچے کی شکل بھی ان سے نہیں ملتی کیسے کہہ دوں کہ یہ وفا شعار ہیں۔"

ہلری ان خواتین سے بہت اچھی ہیں جو ان سے کم اچھی ہیں۔ محاورہ ہے روم رہو تو وہ کرو جو رومن کرتے ہیں بلکہ اصل محاورہ یوں ہے روم میں رہو تو وہ کر جو روم میٹ کرتے ہیں۔ مگر ہلری ایسا نہیں کرتیں۔ اس سے قبل بھی امریکہ میں گشتی فرموں میں خاوندوں کو سیلز مین رکھنے پر ترجیح دی جاتی کہ وہ آرڈر لینے کا تجربہ رکھتے ہیں یہی نہیں شادی شدہ کو صدر اس لئے چنا جاتا ہے کہ اسے عوام کی کڑوی کسیلی باتیں اور ڈانٹ ڈپٹ اسے اجنبی نہیں لگتی۔ لیکن اب امریکی کہہ رہے ہیں کہ صدر کی بیوی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ صدر اس سے پٹ سکتا ہے کوئی اسے ڈانٹنے والا بھی ہونا چاہیے۔ اور بیوی سے بہتر اسے کون ڈانٹ سکتا ہے۔ جہاں تک کلنٹن کے پٹنے کا تعلق ہے تو جیسے مشائخ کانفرنس میں ایک گدی نشین نے وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں کے گھٹنوں کو ہاتھ لگایا تو اگلے دن اخبار نے یہ خبر لگادی۔ جس کی ان پیر صاحب نے یوں تردید کی کہ میں نے وائیں صاحب کے گھٹنوں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا انہوں نے میرے ہاتھ کو گھٹنے لگائے تھے۔ ممکن ہے ہلری' کلنٹن کے منہ پر تھپڑ نہ مارتی ہو۔ کلنٹن ہلری کے تھپڑ پر منہ مارتے ہوں۔ پھر کلنٹن بہت تیز بھاگتے ہیں۔ پوچھو کس سے بھاگ رہے ہیں تو کہیں گے پچیس سال ہوگئے۔ ٹھیک کہتے ہیں ان کی شادی کو تقریباً اتنا ہی عرصہ ہوا ہے۔ سو ممکن ہے وہ بھاگتے ہوئے تھپڑ کو جا لگتے ہوں۔ البتہ امریکیوں کو اس بات پر شرمندہ ہونا چاہیے کہ اتنے ترقی یافتہ ملک کے صدر کی بیوی بھی غیر ترقی یافتہ مملک کی جاہل خواتین کی طرح اپنے خاوند کو ڈوئی' کپ اور لیمپ سے پیٹتی ہیں۔ لیکن سنا ہے ہلری نے اس کی وضاحت بھی کردی ہے کہ میں پڑھی لکھی عورت ہوں۔ ان پڑھ

بیویوں کی طرح اپنے خاوند کو لیمپ' ڈوئی یا برتنوں سے کیسے مار سکتی ہوں؟ میں نے تو کتاب ماری تھی۔

○○○

- **جامعہ تلاشی**

صاحب! ہمیں تو پولیس کو پہلی بار جامعہ پنجاب میں دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ چلو کسی بہانے نہیں یونیورسٹی میں آناتو نصیب ہوا۔ اب پتہ چلا کہ پولیس والے مختلف شعبوں میں باقاعدہ کلاسیں بھی پڑھنے لگے ہیں جس پر طلبہ نے احتجاج کیا ہے۔ لیکن ہم اس احتجاج میں طلبہ کا ساتھ نہیں دے سکتے کیونکہ اگر خود پولیس والے اس پر احتجاج نہیں کرتے تو ہم کیوں کریں؟ جیسے جب فیصل آباد میں جیل میں مصطفیٰ کھر صاحب کو ٹی وی دیکھنے کے لئے ملا تو کچھ صحافیوں نے کہا کہ اس پر احتجاج کرنا چاہیے تو ہم نے کہا تھا اگر مصطفیٰ کھر صاحب خود اس پر احتجاج نہیں کرتے تو ہم کیوں کریں۔

صاحب! پنجاب یونیورسٹی کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ہم نے ایک دوست کو کہا کہ فلاں استاد بڑے اچھے اور سچے ہیں' بیس سال سے یونیورسٹی میں پڑھارہے ہیں' ماشاء اللہ صحت مند بھی ہیں تو جواب ملا وہ اچھے اور سچے استاد کیسے ہوسکتے ہیں جو بیس سال سے یونیورسٹی میں پڑھا رہے ہیں اور صحت مند ہیں وہاں تو اچھے اور سچے استاد کو دو تین سال میں بلڈ پریشر کا مرض ہوجاتا ہے۔ اب تو یونیورسٹی کا کوئی طالب علم کہے کہ میں کبھی گرفتار نہیں ہوا تو سننے والا یہی کہے گا کہ اچھا تم تو باقاعدگی سے یونیورسٹی نہیں جاتے۔ پہلے طلبہ کے پرچے کمرہ امتحان میں ہوتے اب ان کے زیادہ پرچے تھانوں میں ہوتے ہیں۔ یونیورسٹی اتنی بڑی ہے کہ استاد اور کلاس کے طلبہ کی کبھی کبھی تو پہلی ملاقات کلاس کی فیرویل پارٹی میں بھی ہوتی ہے۔ کلاس میں جانا تو کوئی کلاس کی بات نہیں۔ جن دنوں ہم ہوسٹل میں تھے تو ہم یہی سمجھتے کہ یہ شادی شدہ ہے اور رات ہوسٹل میں گزار کر صبح صبح اپنے گھر جارہا ہے۔ کلاس روم میں سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہاں بندہ کتاب نہیں پڑھ سکتا۔ ایک بار ہم نے کتاب کھول لی تو ہمارے استاد نے ڈانٹ کر کہا "یہ کیا کتاب کھول کر علم میں اضافہ ہو رہا ہے؟" ہم نے فوراً کہا "نہیں سر

علم میں اضافہ تو نہیں ہو رہا۔ میں تو بڑی توجہ سے آپ کا لیکچر سن رہا ہوں۔" ہم سمجھتے ہیں پولیس والوں کو کلاسوں میں بھیجنا طلبہ کی سزا نہیں بلکہ یہ سزا پولیس والوں کی ہے اور ہمیں یہ جان کر بھی خوشی ہوئی کہ طلبہ نے اس پر احتجاج کیا جس سے آپ اندازہ لگا لیں کہ ہمارے طلبہ کے دلوں میں پولیس کے لئے کتنی ہمدردی ہے۔ وہ پولیس کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے۔ ویسے بھی پولیس والوں نے اگر یونیورسٹی میں کلاسیں ہی پڑنا ہوتیں تو پولیس میں کیوں جاتے!

ممکن ہے پولیس والے تھک ہار کر سونے کے لئے کلاس روم میں آجاتے ہوں کیونکہ سونے کے لئے کلاس روم سے بہتر جگہ کونسی ہو گی۔ اگرچہ سپاہی سونے کا نام لے تو ایس ایچ او یہی پوچھے گا "کتنے تولے؟" تاہم جیسے ڈاکو اور قاتل جیل میں آ کر سکون سے سوتے ہیں کہ یہاں انہیں یہ ڈر نہیں ہوتا کہ کہیں سوتے میں پکڑا نہ جاؤں۔ ایسے ہی کلاس روم میں طلبہ سے ڈر نہیں ہوتا ہاں البتہ کلاس روم میں خراٹے لینے والے پولیس مینوں کو نہیں جانا چاہیے کیونکہ ان کے خراٹوں سے دوسرے طلبہ کی نیند خراب ہو سکتی ہے۔ ہمیں یہ تو نہیں پتہ کہ پولیس والوں کو کلاسوں میں کس غلطی کی سزا کے طور پر بھیجا جا رہا ہے یہ پتہ ہے کہ پولیس خطا کی پتلی ہے ویسے بھی مشہور پادری وے لینڈ نے ایک بار کہا تھا میں نے حال ہی میں کچھ لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے گذشتہ چار ہزار سالوں سے کوئی غلطی نہیں کی۔ لوگوں نے پوچھا ایسے لوگ کون ہیں؟ وے لینڈ نے کہا "لندن کے عجائب گھر کی مصری شعبے کی ممیاں "ویسے لندن میں یہی "ممیاں" ہیں جو غلطی نہیں کرتیں۔ یہ بھی ممکن ہے پولیس کلاسوں میں طلبہ کے ساتھ بیٹھ کر یہ بتانا چاہ رہی ہو کہ ہمارے طلبہ کتنے صلح جو اور پر امن ہیں جیسے ایک بڑے میاں بندوق لئے خربوزوں کے کھیت پر پہرہ دے رہے تھے۔ ایک راہ گیر نے پوچھا یہاں کے لوگ کیسے ہیں؟ بڑے میاں بولے بڑے ایماندار ہیں کیا مجال جو میرے خربوزوں کو ہاتھ لگائیں۔ راہ گیر نے پوچھا۔ "پھر آپ نے یہ بندوق کیوں اٹھا رکھی ہے؟" بڑے

میاں بولے ”ان کو ایماندار رکھنے کے لئے۔“
صاحب! پولیس والے اپنے افسروں کے حکم کے بندھے ہیں۔ انہیں تو بڑا افسر کہے جاؤ تین روپے کی بچارو خرید لاؤ تو وہ سیلوٹ مار کر اسے خریدنے چلے جائیں گے۔ اس پر ہمیں اعتراض اس پر ہے کہ وہ واقعی خرید بھی لائیں گے۔ لانگ مارچ کے دنوں حکومت نے کہا جس گاڑی سے پی پی پی کے نعرے اور بلند آوازیں آئیں اسے پکڑ لیں تو لوگوں نے اپنے ہارن بدل لئے کیونکہ جس گاڑی سے پی پی پی کی آواز آتی وہ اسے پکڑ لیتے۔ طلبہ نے ان پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ پولیس والے لانوں میں بیٹھ کر کتابیں پڑھتے ہیں۔ ہمارے خیال میں وہ زیادہ سے زیادہ تصویریں پڑھتے ہوں گے کیونکہ کلاس ہی واحد چیز ہے جسے وہ پڑھ سکتے ہیں۔ پھر وہ کیمپس میں خواتین کا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ سارا دن احترام کرنے کے لئے خواتین ڈھونڈتے رہتے ہیں۔
اس کے باوجود جیسے بچوں کو اسمبلی میں لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی کہ کہیں وہ بڑوں کی طرح آپس میں لڑنا جھگڑنا اور غیر پارلیمانی گفتگو کرنا نہ سیکھ لیں ایسے ہی پولیس والے طلبہ میں رہ کر کہیں بائیکاٹ کرنا اور احتجاجی جلسے کرنا نہ سیکھ لیں۔ لیکن ہم حکمرانوں کے سامنے نہیں بول سکتے۔ حکمرانوں کو بھی اپنے سامنے نہیں بولنے دیتے۔ وہ بولنے لگیں توہم سامنے نہیں رہتے۔ بہرحال روس کے سابق وزیر اعظم خروشچیف جلسے میں تقریر کر رہے تھے اور سٹالن کی برائیاں بیان کر رہے تھے۔ جلسے سے کسی نے ایک پرچے پر سوال لکھ کر بھجیجا کہ جب سٹالن یہ سب کچھ کر رہا تھا تو آپ نے کیا کیا؟ خروشچیف چند لمحے چپ رہا پھر بولا جس نے یہ سوال کیا ہے وہ کھڑا ہوجائے۔ جلسے میں خاموشی چھاگئی اور کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔ اس پر خروشچیف مسکرایا اور بولا ”اس وقت میں نے بھی یہی کیا تھا جو آپ نے کیا؟“ ویسے ممکن ہے پولیس والے کلاس نہ پڑھتے ہوں بلکہ معاملہ الٹ ہو۔ ایک بار ہمیں ایک شخص نے کہا اس کا بھائی میڈیکل کالج میں ہے۔ ہم نے پوچھا ”کس کلاس میں پڑھتا ہے؟“ کہا ”وہ کلاس میں نہیں پڑھتا کلاس اسے پڑھتی ہے۔“

HE-ART •

لیجئے صاحب امریکی محققوں نے کہہ دیا کہ جس کی بیوی جتنی پڑھی لکھی ہو گی اسے دل کی بیماری ہونے کے اتنے ہی زیادہ امکان ہونگے۔ غریبوں کے لئے تو مکان کی جمع بھی امکان ہی ہوتی ہے اور ہم سمجھتے تھے دل کی بیماری کے اسباب میں اہم مال و اسباب ہے مگر محققوں نے دل کا سارا بوجھ زنانہ تعلیمی اداروں کے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔ ہم مانتے ہیں ان اداروں کے پاس سے گزرنے والوں کے دل پر اثر ہوتا ہے مگر اتنا علم نہ تھا کہ یہاں تعلیم کو فروغ نہیں دیا جا رہا مردانہ دل کی بیماریوں کی شرح میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ تحقیق کے مطابق جس کی بیوی چار جماعتیں پڑھی ہو گی اس کے خاوند کو چار فیصد دل کا مرض ہونے کا خدشہ ہو گا جبکہ ایم اے پاس بیوی کے خاوند کو سولہ فیصد' اس حساب سے تو ڈبل ایم اے اور پوسٹ گریجویشن کرنے والے بیویوں کے خاوندوں کا تو ڈاکٹر ہی حافظ۔

ہم مانتے ہیں امریکہ ہم سے اتنا آگے ہے کہ ہم جب بھی چند قدم ترقی کی طرف اٹھاتے ہیں آگے وہ آجاتا ہے اس کی ترقی کا راز ہم نے یہی پایا کہ ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے لیے ساتھ گامزن ہونا چاہیے۔ ویسے بھی دنیا میں جو کچھ بنا عورت کے مشورے سے بنا صرف خدا نے آدم کو پہلے بنایا تھا تاکہ عورت کے مشورے کے بغیر بناسکے۔ وہاں مردوں کو عورتوں کے برابر حقوق حاصل ہیں۔ یہ الگ بات ہے فرانسیسی ناول نگار کولیٹی نے کہا تھا' ایک عورت جو یہ سمجھتی ہے کہ وہ ذہین ہے وہ مردوں کو اپنے برابر حقوق دینے کا مطالبہ کرتی ہے اور ایک عورت جو ذہین ہے وہ یہ نہیں کرتی اگرچہ وہاں بھی دفتروں میں عورتوں کو کام نہیں کرنے دیا جاتا۔ ایک عورت نے اس پر عدالت میں کیس کردیا تھا کہ میرا ماتحت مجھے دفتر میں کام نہیں کرنے دیتا۔ بہرحال تحقیقی شعبے میں نوجوان لڑکے لڑکیاں دونوں دن رات جتے رہتے ہیں۔ جن میں اکثر یہی تحقیق کر

رہے ہوتے ہیں کہ ان کا والد کون تھا؟ وہاں سے پہلے ایک تحقیق آئی تھی کہ جو آدمی جتنا بے وقوف ہوتا ہے اس کی بیوی اتنی ہی خوبصورت ہوتی ہے اور اس محقق کی بیوی کی خوبصورت تصویر دیکھ کر ہمیں اس پر اعتبار بھی آگیا۔ پھر ایک دن خبر پڑھی کہ ایک امریکی کی تحقیق کے مطابق گنجے خاوندوں کی اپنی بیویوں سے زیادہ لڑائیاں ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے لڑائیاں نہ ہوتی تو وہ گنجے کیسے ہوئے! پھر لمبے لمبے بال رکھنے سے ازدواجی تعلقات اس لئے بھی خوشگوار رہتے ہیں کہ بیوی کپڑوں پر لگے لمبے بال دیکھ کر یہ نہیں پوچھتی کہ یہ بال کس کے ہیں؟ پھر تحقیق آئی کہ مرد اپنی زندگی میں عورت سے زیادہ اچھے دن گزارتے ہیں' یہ بھی مان لیا کیونکہ مرد اکثر بڑی عمر کے ہو کے شادیاں کرتے ہیں لیکن بیماری دل والی تحقیق پر دل نہیں آتا پھر بیوی کا اپنے خاوند کے دل سے کیا تعلق؟

HEART کو ہم HE-ART سمجھتے ہیں' ہمیں یہ تحقیق بھی اسی مردانہ آرٹ کا نمونہ لگتی ہے اگرچہ بیماری دل کا جتنا ذکر ہماری اردو شاعری میں ہے اتنا تو میڈیکل کی کتابوں میں نہ ہوگا اور وجہ بیماری دل ہمیشہ محبوبہ رہی ہے منکوحہ نہیں۔ سو یہ تحقیق سراسر غیر ادبی ہے۔ بیوی اور خاوند کے دل کے تعلق کا ذکر تو کسی لطیفے میں بھی نہیں ملتا۔ اگرچہ ہم سمجھتے ہیں سکھوں اور وکیلوں کی طرح میاں بیویوں کے بارے میں صرف دو تین لطیفے ہی مشہور ہیں باقی تو سب سچے واقعے ہیں۔ پھر انہوں نے بیماری کی وجہ پڑھی لکھی بیویاں بتائی ہیں جس سے لگتا ہے یہ تحقیق ان پڑھ خواتین نے کی ہے۔ ہمارے ہاں کی دیہاتی خواتین تو گنتی تک اپنے بچوں پر سیکھتی ہیں۔ ویسے بھی عام مرد خوبصورت عورت پسند کرتا ہے کیونکہ وہ اتنا بہتر سوچ نہیں سکتا جتنا بہتر دیکھ سکتا ہے۔ اسی لئے ہمارے ہاں پڑھی لکھی عورتوں کی شادیاں کم ہوتی ہیں' البتہ مغرب میں ان کی زیادہ ہوتی ہیں بلکہ کئی کئی ہوتی ہیں۔ وہاں تو شادیوں کی تصویریں بھی پولا رائیڈ کیمروں سے بناتے ہیں کہ یہ نہ ہو تصویریں دھل کر آنے سے پہلے طلاق ہوچکی ہو۔ شادی وہاں

اتنی سستی ہے کہ سنا ہے جاپان میں جو بندہ اپنی بیوی کی فرمائش پر پورا ٹماٹر خریدتا ہے وہ رئیس ہوتا ہے جو غریب ہو وہ اس سے کم قیمت پر نئی بیوی لے لیتا ہے۔ سنا ہے

وہاں انڈہ ہزار کا پڑتا ہے ہمارے ہاں سیاست میں آجاؤ تو مفت پڑتا ہے۔ بہرحال ہمارے ہاں شادیاں بہت مہنگی پڑتی ہیں مگر عورتوں کو۔

ہم عورتوں کے اس قدر حق میں ہیں کہ جس پر مرد چلیں اسے راستہ اور جس پر عورتیں چلیں اسے راستی کہتے ہیں' پھر بھی ہم سمجھتے ہیں بیوی کی باتوں کا ہمیشہ کانوں پر اثر ہوتا ہے دل پہ نہیں کیونکہ بیوی کو چپ کرانا ہی مشکل ہے اور اس کے صرف دو طریقے ہیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسے چپ کرانے کی کوشش نہ کریں۔ بہرحال اس تحقیق نے یہ تو ثابت کیا کہ پڑھی لکھی بیویوں کا اپنے خاوندوں کے دل سے کوئی تعلق ہوتا ہے اگرچہ ہمارے ہاں اکثر خاوند شادی کے فوراً بعد اپنا دل بیوی کو دے دیتے ہیں اور باقی زندگی اس کے ساتھ بے دلی سے گزارتے ہیں لیکن ہمارا مشاہدہ ہے کہ پڑھی لکھی بیوی دل پر اثر کرتی ہے بشرطیکہ دوسرے کی ہو۔

○○○

• سیاسی فرشتے

صاحب! جیسے خواتین دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ جو موٹی ہوتی ہیں اور دوسری وہ جو دبلی نہیں ہوتیں۔ ایسے ہی مرد بھی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک پہلی طرح کے اور دوسرے ہر طرح کے۔ منٹو کے بعد ہم سمجھنے لگے تھے کہ فرشتے بھی دو قسم کے ہوتے ہیں گنجے فرشتے اور مزید گنجے فرشتے۔ یہ تو پتہ نہیں منٹو مرحوم نے گنجے فرشتے کہاں دیکھے لیکن ہم نے لیڈی ولنگڈن ہسپتال کے لیبر روم میں ہر فرشتہ گنجا ہی پیدا ہوتا دیکھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے منٹو صاحب نے فرشتوں کو گنجا نہ کہا ہو گنجوں کو فرشتہ کہا ہو۔ تاہم ہمیں یہ علم نہ تھا کہ فرشتے سیاسی سبھی ہوتے ہیں یہ تو بھلا ہو مرزا اسلم بیگ صاحب کا جنھوں نے ہماری لاعلمی میں اضافہ کرنے کا ذمہ لے رکھا ہے۔ 1990ء کے الیکشنوں میں جب پیر پگاڑا صاحب نے کہا میرے خلاف فرشتوں نے ووٹ ڈالے ہیں تو ان کے حلقے کے جس شخص نے بھی ان کے خلاف ووٹ ڈالا تھا وہ خود کو فرشتہ سمجھنے لگا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ ہم پیر صاحب کی بات کو سچ مانتے ہیں۔ اب ریٹائرڈ جنرل اسلم بیگ صاحب نے اعلان کیا ہے کہ 90 کے الیکشن میں فرشتے موجود تھے' تو کئی دن گزرنے کے باوجود کسی فرشتے نے تردیدی بیان جاری نہیں کیا۔ مرزا صاحب ہر کام یقین سے کرتے ہیں وہ تو شک تک یقین سے کرتے ہیں۔ ہر "حرکت" سوچ سمجھ کر کرتے ہیں ان کو تو بندہ لطیفہ سنائے تو بہت سوچ سمجھ کر ہنستے ہیں۔ 90ء الیکشنوں پر بھی تین سال کے غور و خوض کے بعدانھوں نے یہ کہا ہے۔ مولانا طاہر القادری صاحب کی طرح ہم بھی آج کل یہی جاننا چاہ رہے ہیں کہ وہ فرشتے کون تھے؟ یا وہ کون' فرشتے تھے؟ یہ تاریخی معاملہ ہے اور ہمیں تاریخ سے اتنی دلچسپی ہے کہ جو بھی سیانہ بندہ نظر آئے اس سے یہی پوچھتے ہیں کہ آج تاریخ کیا ہے؟

ممکن ہے مرزا صاحب نے فرشتوں کو سیاست میں نہ گھسیٹا ہو' سیاست دانوں کو فرشتوں میں گھسیٹ لیا ہو۔ ویسے تو ہمارے سیاست دان فرشتے ہی ہیں۔ ان کے کام بھی فرشتوں والے ہیں یعنی دوسروں کی خامیوں اور غلطیوں کا حساب رکھنا۔ فرشتے اور انسان میں یہ فرق ہے کہ انسان خطا کا پتلا ہے اور ہم تو سارادن خود کو انسان ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں مگر ہمارے لیڈر کبھی غلطی نہیں کرتے۔ اس لئے ہم انہیں یہ نہیں کہتے کہ ضرور انسان بنیں۔ بلکہ ہم تو یہ بھی دعا نہیں دے سکتے کہ وہ فرشتے ہی رہیں۔

ایک بار ہم اپنے حلقے کے امیدوار کے ساتھ ایک بزرگ کے پاس گئے اور کہا بابا جی یہ ہمارے حلقے سے انتخابی امیدوار ہی ان کے لئے دعا کریں۔باباجی اس امیدوار کو جانتے تھے۔ اس لیے وہ ہمارے لیے دعا کرنے لگے۔ پھر فرشتہ عام آدمیوں کو نظر نہیں آتا شاید اسی لئے مولانا عبدالستار نیازی کے حلقے کے لوگ انہیں فرشتہ کہتے ہیں بہرحال ہم سمجھتے ہیں فرشتوں کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ زبان نہیں کھولتے۔ جو کہو وہی کرتے رہتے ہیں اس لحاظ سے تو ہماری عوام فرشتہ ہی تو ہے۔

رونالڈریگن نے کہا تھا سیاست دنیا کا دوسرا قدیم ترین پیشہ ہے اور میں اس میں آنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ پہلے قدیم ترین پیشے سے ملتا جلتا ہے۔ ریگن صاحب کو دنیا کے ان دونوں قدیم ترین پیشوں میں آنا پڑا اس لئے ان کی بات میں وزن ہے۔ وزن اس قدر اہم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں فلموں میں کسی ہیرو کو کاسٹ کرنا ہو تو پہلے اس سے کئی من وزن اٹھواتے ہیں جو اٹھالے اسے ہیرو سلیکٹ کر لیتے ہیں تاکہ فلم میں ہیروئین کو اٹھا کر گانا گاسکے مگر سیاست میں یہ دیکھتے ہیں کہ بندہ خود کتناوزنی ہے' پھر مرزا اسلم بیگ صاحب کی تو باتیں تک اتنی بھاری ہوتی ہیں کہ سننے والے کو اپنا سر بھی ایسا ہی لگنے لگتا ہے۔ جب چیف آف آرمی سٹاف تھے۔ تب بھی ہر مسئلے پر خود ہی بولتے جو ہمیں اچھا لگتا کہ فوجی خود نہ بولے تو اس کے بوٹ بولنے لگتے ہیں وہ پہلے فوجی کام سیاسی انداز سے کرتے اب سیاسی کام فوجی انداز سے کرتے ہیں۔ وہ کلین شیو ہیں مگر ان کے فقرے مونچھوں والے ہوتے ہیں لیکن حملہ آور ہونا

اور بات ہے اور جملہ آور ہونا اور۔ فیلڈ مارشل لارڈ منٹگمری نے کہا تھا کہ میں نے اپنی بیشتر عمر جرمنوں اور سیاست دانوں سے لڑنے میں گزاری اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جرمنوں سے لڑنا آسان تھا۔

بیگ صاحب انکشافات سے بھرے بیگ ہیں۔ انہیں وہ بھی پتہ ہے جو ہمارے فرشتوں کو ہی پتہ ہو سکتا ہے۔ وہ غلط بات کو صحیح دلیل سے ثابت نہیں کرتے۔ صحیح کو غلط دلیل سے ثابت کرتے ہیں۔ وہ اعتراف بیگ بن کر جارج واشنگٹن کی طرح داد طلب نظروں سے دیکھنے لگے ہیں حالانکہ وہاں معاملہ اور تھا۔ واشنگٹن کو اس کے باپ نے نیا کلہاڑا لے کردیا۔ جس سے اس نے باپ کے سارے درخت کاٹ دیئے۔ مگر بعد میں اس نے باپ کے سامنے سچ بول کر اس کا اعتراف کیا تو باپ نے سامنے کھڑے واشنگٹن کو برا بھلا کہنے کے بجائے اس کی سچ گوئی کی تعریف کی۔ ہم سمجھتے ہیں اس کی وجہ یہی تھی کہ باپ جانتا تھا واشنگٹن کے پاس بالکل نیا کلہاڑا ہے۔

○○○

• ڈاکٹر پ۔ تنگ

صاحب! ہم تو چین کو جانتے ہی ماؤزے تنگ اور پ۔ تنگ کے حوالے سے ہیں' پ۔تنگ کو ہم نے تنگ کرکے پتنگ بنادیا مگر ہمیں یہ آج پتہ چلا کہ پتنگ کا تعلق ڈاکٹری سے ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد نے اڑائی ہے کہ پتنگ بازی کرنے والے کی نبض نارمل اور بلڈ پریشر ٹھیک رہتا ہے۔ کائیٹ ڈیلرز ایسوسی ایشن کے صدر فراست بٹ نے تو پتنگ بازی کے اس قدر طبی فائدے بتائے ہیں کہ ہمیں حیرانی ہورہی ہے ہم آج تک پتنگ بازی نہ کرنے کے باوجود زندہ کیسے ہیں؟

بسنت ڈور۔ دھوپ کا موسم ہوتا ہے لندن میں بسنت اسی لئے نہیں ہوتی کہ وہاں تو دھوپ کا لفظ بھی دوڑ دھوپ کے معنوں میں آتا ہے۔ ہمارے ہاں اس موسم میں پتنگیں اور قیمتیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں ویسے پہلے قیمتیں آسمان سے باتیں کرتی تھیں اب تو آسمان کو قیمتوں سے باتیں کرنے کے لئے اوپر جانا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے لیڈروں کا دماغ بھی آسمان پر ہی رہتا ہے' زمین پر تو وہ اس کے بغیر بھی کام چلا لیتے ہیں' جہاں تک پتنگ بازی کا تعلق ہے تو ہم سمجھتے ہیں فی زمانہ ہمسائیوں کے گھر تانک جھانک کرنے کے لیے پتنگ بازی سے زیادہ مہذب طریقہ آج تک دریافت نہیں ہوا۔ اسی لئے پتنگ بازی میں چوٹ لگنے کا خدشہ ہمیشہ رہا ہے۔

ہم نے ایک پتنگ باز سے پوچھا "آپ کے ماتھے پر یہ زخم کیسا ہے؟" بولا "ساتھ والی چھت پر خاتون نظر آتی تھی ناں جس کا خاوند دوبئی میں رہتا تھا۔"

پوچھا "ہاں پھر؟"

بولا "آج کل وہ دوبئی میں نہیں رہتا۔"

ہم نے کبھی پتنگ نہیں اڑائی لیکن اس کا مطلب ہی نہیں کہ ہمیں اس کی برائی کرنے کا حق نہیں' ہم پتنگ بازی کو کھیل مانتے ہیں کیونکہ بقول یوسفی "جہاں کھیل میں دماغ

پر زور پڑا' کھیل کھیل نہیں رہتا' کام بن جاتا ہے" اور پتنگ بازی میں پوچھ دماغ کی بجائے کوٹھے پر پڑتا ہے' اس کھیل میں بندے کو کوٹھے پر جانا پڑتا ہے اور ہم کوٹھے پر آنے جانے والوں کو اچھا نہیں سمجھتے' ہم نے ایک پتنگ باز سے پوچھا۔

"یہ پیچ لڑانے سے فائدہ؟" کہا "کلائی مضبوط ہوتی ہے"

پوچھا "مضبوط کلائی کا فائدہ؟"

کہا "پیچ لڑانے میں آسانی ہوتی ہے"

پیچ بھی سیاست کی طرح پر پیچ ہوتے اہیں مگر پتنگ بازی اور سیاست بازی میں یہ فرق ہے کہ ہمارے ہاں اول الذکر کے لیے ڈور اور آخر الذکر کے لیے بیک ڈور کی ضرورت پڑتی ہے۔ امریکہ اور روس نے خلائی جہازوں کے ذریعے آسمان پر پہنچنے کی کوشش کی ابھی وہ خدا تک پہنچنے کے لیے خلائی شٹل کا سہارا لینے کا منصوبہ ہی بنا رہے ہیں جبکہ ہم نے پتنگ بازی میں اتنی ترقی کرلی ہے کہ ہر سال بذریعہ پتنگ کئی لوگ خدا کے پاس پہنچ جاتے ہیں ہمارے ہاں تو اب پتنگیں آواز کی رفتار سے اڑائی جا رہی ہیں پتہ نہیں چلتا گانا زیادہ بلند ہے یا پتنگ' لیکن ہمارے ایک جاننے والے نے بتایا۔

"میں نے ایسا اہتمام کیا ہے کہ اب ہمسایوں کی چھت سے اونچے گانوں کی آوازیں ہمارے گھر نہیں آتیں۔

پوچھا "یہ کیسے کیا؟"

کہا "میں نے ایسا "ڈیک" خریدا ہے وہ لگا ہوا ہو تو پھر ہمسایوں کے ٹیپ ریکارڈر کی آواز سنائی نہیں دیتی"

ہمیں پتنگ بازی پر یہ بھی اعتراض تھا کہ چھتوں پر چڑھنے کے باعث گھروں میں پردہ دار خواتین نظر آتی ہیں' اس پر اس نے کہا ہمیں بھی ان خواتین کے پردہ دار نظر آنے پر اعتراض ہے لیکن اب ہم پتنگ طبی افادیت کے اس قدر قائل ہو گئے ہیں کہ ہو سکتا ہے ہم ناقابل علاج مریضوں کے لیے ایسے نسخے تجویز کرنے لگیں کہ ایک پتنگ

صبح ایک دوپہر اور ایک رات کو لوڈشیڈنگ سے پہلے' لیکن یہ سب ہم اپنے استاد ڈاکٹر افتخار صاحب سے کہیں زیادہ فراست بٹ صاحب سے متاثر ہو کر کریں گے کیونکہ پہلی بار فراست کے ساتھ بٹ لگا دیکھا ہے' پھر بٹ ہوتے بھی ایسے ہیں کہ ہمارے ایک جاننے والے بٹ صاحب کو ہمسائے نے آواز دی کہ بٹ صاحب ایک سیاہ کار آپ کے دروازے کے سامنے سے گزر رہا ہے اسے پکڑنا' تو بٹ صاحب نے گزرتی سیاہ کار روک کر اندر بیٹھنے والوں کو پھینٹی لگانا شروع کر دی۔ ہمسائے نے پوچھا "یہ کیا کر رہے ہیں؟" بولے "تم نے ہی خود ہی تو کہا تھا سیاہ کار جانے نہ پائے" پھر ڈاکٹروں سے بٹوں کی رائے زیادہ مانی جاتی ہے۔

گوجرانوالہ کے ایک بٹ صاحب نے ڈاکٹر سے کہا "رپورٹ میں لکھو کہ مریض کے بازو کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا ایکسرے کے بعد لکھوں گا' اگلے دن ایکسرے رپورٹ کے مطابق واقعی ڈاکٹر صاحب کے بازو کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی۔

○○○

- ٹبی مشورے

طبی مشورے دو طرح کے ہوتے ہیں مفید طبی مشورے اور مفت مشورے لیکن امریکہ کے پروفیسر ڈاکٹر کرک واسٹن نے اپنی تحقیق بلکہ تفتیش کے بعد یہ مشورہ دیا ہے کہ آپ کو کندھوں' بازوؤں یا ہاتھوں میں درد ہے تو آپ فرش کو رگڑ رگڑ کر دھوئیں۔ دس دن تک روزانہ ایسا کرنے سے یہ درد نہ ہوگا۔ ویسے اگر آپ کی بیوی کے کاندھوں' بازوؤں یا ہاتھوں میں درد ہو اور آپ سات دن تک فرش رگڑکر دھونے کی بجائے بغیر رگڑے ہی دھولیں تو میں یقین دلاتا ہوں ایک ہفتے میں بیوی کا درد بہتر ہوجائے گا لیکن ہمیں ڈاکٹر واسٹن کے مشورے کی سمجھ نہیں آئی اگرچہ ہماری سمجھ نہ آنے کو بھی مشورے کی خوبی خیال کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اگر فرش کی رگڑائی یا مریض کی رگڑائی طبی طریقہ علاج شمار ہونے لگی تو پھر تھانہ ٹبی بھی تھانہ طبی کہلایا کرے گا کہ ڈاکٹر واسٹن جب تحقیق کرنے کے لیے گھر کا فرش رگڑ رگڑ کر دھوتے تھے تو کسی کے خیال میں بھی نہیں تھا کہ وہ کوئی طبی تحقیق کر رہے ہیں جو کوئی انہیں اس حالت میں دیکھتا یہی سمجھتا ان کی شادی ہو گئی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہیں طبی دنیا میں ریکارڈ قائم کرنے کا جنون تھا۔ ایک بار انہیں بخار ہوا نرس سے پوچھا کتنا ٹمپریچر ہے؟ نرس نے کہا' 104 ہے تو بولے "ورلڈ ریکارڈ کتنے کا ہے؟"

سرولیم آسکر نے کہا ہے کہ انسان اور جانور میں بڑا فرق جس سے دونوں کی شناخت ہوتی ہے وہ ہے دوالینے کی خواہش۔ دوائی کھانے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ پھر مریض مرض سے نہیں مرتا اگرچہ ہمارے ہاں ہسپتالوں تک رسائی اتنی آسان ہے کہ آپ کسی بھی سڑک کے درمیان میں کھڑے ہوجائیں کچھ ہی دیر بعد آپ قریبی ہسپتال کے بستر پر ہونگے لیکن ہسپتال میں جو نا قابل علاج بیماریاں ہیں ان میں ایڈز' ڈاکٹر کی فیس اور کینسر اہم ہیں یہ یہی امریکہ میں تو ہسپتالوں میں مریض کو بے ہوش کرنے

سے پہلے پوچھتے ہیں آپ بے ہوش ہونے کے لیے ٹیکا لگوائیں گے یا بل دیکھنا پسند کریں گے؟ ہم بحیثیت ادیب مانتے ہیں قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے گویا ہم میڈیسن

کو سرجری پر ترجیح دیتے ہیں ویسے بھی اچھا سرجن وہ ہوتا ہے جو سرجری نہیں کرتا ڈاکٹر واسٹن سرجری کے پہلے ہی خلاف تھے وہ زخمی انگلی پر پٹی بھی یوں لپٹتے جیسے کمر پر ساڑھی لپیٹی جاتی ہے یعنی صاف نظر آرہا ہوتا کہ کیا چھپایا ہے؟ میڈیسن کے بارے میں ان کی بھی وہی رائے تھی جو ہماری ہے کہ سب سے بہترین میڈیسن آپ کا ڈاکٹر ہوتا ہے؟ مگر انہوں نے "رگڑاتھراپی" دریافت کرکے اس کو بھی رگڑا لگا دیا ہے اگرچہ پہلے بھی کوئی کسی ڈاکٹر سے پوچھتا کہ آپ کے مکان پر کتنے خرچ ہوئے؟ تو جواب ملتا "اتنے مریض" لیکن ڈاکٹر واسٹن نے تو تعمیری جذبے کے تحت مریضوں سے فرش رگڑوانا شروع کردیا ہے ممکن ہے وہ کہیں کے بجری اور سریا ڈھونے سے کمر کا درد جاتا رہتا ہے اور سر پر اینٹیں اٹھا کر اوپر کی منزل پر لیجانے سے سر درد نہیں ہوتا۔

ہمارے ہاں جہاں سب سے زیادہ کھانے کی باتیں ہوتی ہیں اسے ڈائیٹنگ یا سلمنگ سنٹر کہتے ہیں اور جہاں درد کاسب سے زیادہ ذکر ہوتا ہے وہ اردو شاعری ہے ایسی درد والی شاعری کہ پڑھنے والے کو وہی کچھ ہونے لگے جس والی یہ شاعری ہوتی ہے۔ شاعری میں ہمیں بھی درد پسند ہے جی ہاں خواجہ میر درد پسند ہے لیکن درد کے اصل اسٹاک ایکسچینج ہسپتال ہیں۔ ڈاکٹر واسٹن نے ہسپتال میں اس طریقہ علاج کے تجربے بھی کئے ایک مریض کو سفید پوش خاتون یعنی نرس کے ساتھ بھیجا کہ آپ محترمہ کے کمرے کے فرش آنکھیں بند کرکے رگڑیں چند گھنٹوں بعدوہ نرس کے بغیر آیا تو ماتھے پر سینڈل کا زخم تھا۔ ڈاکٹرواسٹن نے پوچھا یہ دونوں آنکھیں بند کرنے کا نتیجہ ہے تو اس نے کہا نہیں ایک آنکھ بند کرنے کا۔ ہمیں لگتا ہے ڈاکٹر واسٹن نے اس بیماری کا علاج دریافت کرنے میں اتنے سال نہیں لگائے جتنے اس علاج کے لیے بیماری ڈھونڈنے میں لگائے ہیں۔ ممکن ہے کل ہمیں پتہ چلے کہ ہمسایوں کے گھر پتھر مارنا' ویگن میں مرغا بننا اور چلتے

ہوئے دوسرے کو کاندھا مار کے گزرنا وغیرہ بھی کئی بیماریوں کے علاج ہیں جیسے یاور حیات صاحب میو ہسپتال میں سٹریس ٹیسٹ کے لیے گئے ڈاکٹر نے نو بجے کا وقت دیا تھا۔ گیارہ بج گئے تو انھوں نے ایک ملازمہ سے پوچھا میں کب سے بیٹھا ہوں میرا سٹریس ٹیسٹ کیوں نہیں لیا جا رہا تو جواب ملا آپکا سٹریس ٹیسٹ ہی تو لیا جا رہا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں صحیح مشورہ وہ ہوتا ہے جو صحیح بندے کو دیا جائے ایک بار ہم آؤٹ ڈور میں مریض دیکھ رہے تھے ایک خاتون اپنے آٹھ بچوں کے ساتھ باربار دروازہ کھول کر اندر جھانکے پھر بچے سمیٹ کر چلی جائے آخر ایک بار جب اس نے بچوں سمیت پھر اندر جھانکا تو ہم نے کہا"بی بی اب آپ کو بس کردینی چاہیے' تو وہ بچے سمیٹتے ہوئے قصے سے بولی "یہ مشورہ آپ ان کے ابو کو کیوں نہیں دیتے؟" ڈاکٹر واسٹن نے ایک تو مشورہ صحیح بندوں کو نہیں دیا اوپر سے وہ فرش رگڑنے سے اسی نتیجے کی امید لگائے بیٹھے ہیں جو الہ دین کا چراغ رگڑنے سے ہوتی ہے خیر اب تو الہ دین کا جن حاضر ہو بھی جائے تو آپ اسے کہیں کہ میری کوئی خواہش پوری کردو تو وہ یہی کہے گا اگر کوئی خواہش پوری کرسکتاتو خود کبھی اس میلے کچیلے چراغ میں ایڑیاں نہ رگڑتا۔ بہرحال ہمیں یہ حیرت انگیز خبر ملی ہے کہ جانوروں میں اس طریقہ علاج کے رواج پاتے ہی امریکہ میں بیویوں کو پٹھوں' بازوؤں اور ہاتھوں میں درد ہونا فوری طور پر بند ہو گیا ہے۔ ہم ڈاکٹر واسٹن کو داد دیتے ہیں کہ انھوں نے اس علاج کے لیے بیماری بڑی چن کے ڈھونڈی ہے۔

○○○

• معشوق نامہ

سندھ کے جام صادق علی ہمارے وہ سیاست دان تھے جو دن رات عاشق و معشوق کا ذکر کرتے تو کوئی برا نہ مناتا لوگ سمجھتے اپنے بیٹوں کے نام لے رہے ہیں آج کل بھی

سیاست دان معشوق کی بات کررہے ہوں اور بیوی آجائے تو ظاہر یوں کرتے ہیں جیسے جام معشوق کی باتیں کر رہے ہیں۔ اگرچہ جام معشوق دیکھنے میں معشوق کم اور عاشق زیادہ لگتے ہیں۔ دور سے ان کی جو چیز آپ کوقریب نظر آتی ہے وہ ان کی مونچھیں ہیں' ان کی مونچھیں کسی اور سیاست دان سے نہیں ملتیں وہ تو آپس میں بھی نہیں ملتیں۔ اتنی بڑی کہ بچے کو بھی چوم رہے ہوں تو پتہ نہیں ہوتا پیار کے طور پر ایسا کررہے ہیں یا سزا دے رہے ہیں۔ ان کو نہ دیکھا جائے پھر بھی جوان نظر آتے ہیں مگر غلام مصطفیٰ جتوئی صاحب نے یہ بیان دے کر ہمیں حیران کر دیا کہ جام معشوق تو بچے ہیں۔ غلام مصطفیٰ جتوئی صاحب جو ناکام ہونے میں اکثر کامیاب رہتے ہیں ہر کام آخر میں کرتے ہیں' اب تو ہر کام میں آخر بھی کرنے لگے ہیں' جتوئی صاحب وہ سیاست دان ہیں جو ہر رات کو سونے کے بعد اور اٹھنے سے پہلے وزیر اعظم ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ تو پتہ تھا کہ غلام مصطفیٰ جتوئی صاحب کو بچے اچھے لگتے ہیں یہ پتہ نہ تھا کہ جو اچھے لگتے ہیں وہ بچے لگتے ہیں ماہر نفسیات کہتے ہیں' غصے میں بچوں کو ڈانٹنا نہیں چاہیے سو وہ بھی بچوں کو تب ڈانٹتے ہیں جب غصے میں نہ ہوں۔ اگرچہ بچوں میں یہی خرابی ہے کہ وہ ہمیشہ بچے نہیں رہتے مگر یہ بھی تو پتہ نہیں کہ وہ کس عمر تک بچے رہتے ہیں؟ اگرچہ سیاست دانوں کے بچے ہونے کا پتہ ان کی عمر سے نہیں ان کی گفتگو سے چلایا جاسکتا ہے۔ سو ممکن ہے جتوئی صاحب نے جام معشوق کی گفتگو سنی ہو' ویسے بھی سیاست آج کل بڑے بچوں کا کھیل ہے اور یہ سیاست دانوں تک ہی محدود نہیں' ابراہیم جلیس نے ایک بار ساحر لدھیانوی سے کہا کہ پاکستان میں تو ادیبوں' شاعروں اور صحافیوں کو ہوائی

جہاز اور ریل کے کرائے نصف ادا کرنا پڑتے ہیں سو ساحرلدھیانوی نے کہا"ہندوستان میں بھی نا بالغوں کا آدھا ٹکٹ ہوتا ہے۔"

بچہ ہمیشہ اپنی عمر زیادہ بتاتا ہے اور جب وہ اپنی عمر اصل سے کم بتانے لگے سمجھ لیں وہ بوڑھا ہو رہا ہے۔ بڑھاپا بھی تو دوسرا بچپن ہے اس حساب سے تو جتوئی صاحب خود بچپن میں نہیں بچپن میں ہیں۔ وہ جام صادق علی کے دوست رہے۔ جام صاحب دوستوں کے لیے جام بن جاتے اور دشمنوں کو جام کرکے رکھ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں: انہوں نے ہمیشہ اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کی آخری عمر میں پی پی کو سیدھا کرکے یہی سمجھا کہ ان کا الو سیدھا ہو گیا ہے۔ جتوئی صاحب بھی انہیں عزت ماب یوں کہتے جیسے عزت مع آب کہہ رہے ہوں۔ ویسے بھی جتوئی صاحب کا لہجہ ایسا ہوتا ہے کہ کچھ بتا رہے ہوں پھر بھی یہی لگتا ہے کہ پوچھ رہے ہیں' ہو سکتا ہے انہوں نے مرحوم دوست کا بچہ ہونے کی وجہ سے کہا کہ جام معشوق بچا ہے۔

جام معشوق جب بچے تھے تب بھی وہ اتنے بچے نہ تھے۔ بچپن میں زبردستی دودھ پلایا جاتا تو اس لئے پی جاتے تاکہ جلد اتنے طاقتور ہوجائیں کہ پھر کوئی زبردستی انہیں دودھ نہ پلا سکے۔ خواتین کی شروع ہی سے اتنی پہچان تھی کہ ایک دن کہا "یہ دو مکھیاں نر ہیں اور وہ ایک مادہ" پوچھا "آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" کہا "یہ دو بار بار سائیں کے سگاروں پر بیٹھتی ہیں جب کہ وہ تو شیشے سے ہی چپکی ہوئی ہے "ان کے والد نے انہیں جس کام سے روکنا ہوتا وہ اسے وہ کام کرنے کی نصیحت کرنے لگتے۔ جان ایف کینیڈی نے کہا ہے ہر ماں چاہتی ہے اس کا بچہ صدر بنے مگر وہ یہ نہیں چاہتی کہ اس کا بچہ سیاست میں آئے۔ ویسے صدر جس عمر کا ہوتا ہے اس لحاظ سے تو ماؤں کا بیٹوں کو صدر بننے کی دعا دینا دراصل ان کو درازی عمر کی دعا دیناہے'صاحب' بزرگوں کو چپ کرانے کے 152 طریقے ہیں جن میں پہلا یہ ہے کہ انہیں بولنے دیں اور آخری طریقہ یہ کہ انہیں کہیں آپ تو ابھی بچے ہیں' جبکہ بچوں کو چپ کرانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ انہیں کہیں آپ اب بڑے ہوگئے ہیں۔ ہوسکتا ہے جام معشوق کو بچہ کہہ کر

جتوئی صاحب انہیں چپ کرانا چاہتے ہوں۔ ویسے جس طرح کرنل محمد خان نے ہوائی سفر میں سنا کہ کسی نے ایئر ہوسٹس کو چڑیل کہا ہے۔ انہوں نے پوچھا "یہ ایئر ہوسٹس کو چڑیل کس نے کہا ہے؟" پیچھے سے آواز آئی "یہ چڑیل کو ایئر ہوسٹس کس نے کہا ہے؟" ایسے ہی کسی نے پوچھا "جام معشوق کو "بچے" کس نے کہا؟" اس پر دوسرا چلایا "یہ بچے کو جام معشوق کس نے کہا ہے۔؟"

○○○

• تھا۔ ۔ ۔ نہ

ہم کسی کی تعریف نہیں کرتے۔ سکول میں سوال آتا کہ مالیکیول' ایٹم یا ولاٹی کی تعریف کرو تو ہم وہ سوال ہی چھوڑ دیتے تو استاد کہتا تم بڑے ہو کر صحافی بنو گے۔ اب خیال آیا ہے کہ پولیس کی تعریف کریں لیکن کیا کریں کہ ہم جس کی تعریف کریں لوگ اس پر شک کرنے لگتے ہیں۔ بھلا ہو ڈی آئی جی گوجرانوالہ اظہر حسن ندیم صاحب کا جنہوں نے یہ سروے کیا ہے کہ جن لوگوں کو پہلے پولیس کی غیر ذمہ داری پر شک تھا ان کا شک دور ہو گیا ہے۔ سروے کے مطابق چھ ماہ قبل جس علاقے کے 90 فیصد لوگوں نے پولیس گشت پر عدم اعتماد کا اظہار کیا تھا اب 92 فیصد لوگوں نے پولیس گشت پر اعتماد ظاہر کر دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے پولیس نے علاقے کے ہر قسم کے لوگوں کو اعتماد میں لے لیا ہے لیکن ایک پولیس آفیسر نے کہا ہے کہ ہمارے گشت سے جرائم پیشہ قسم کے لوگ بہت پریشان ہیں اور وہ گشت کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔ اور پھر ہمیں غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا آپ کی گشت کے بارے میں کیا رائے ہے؟

صاحب پہلی بار مچھر اس شخص نے ڈھونڈا جس شخص کو پہلی بار مچھر نے ڈھونڈا۔ جرم کا اور قانون کا کچھ ایسا ہی رشتہ ہے۔ ہمارے ایک جاننے والے نے 75 ہزار کسی عزیز سے ادھار لے کر قانون کی تعلیم مکمل کی اور اپنا پہلا کیس جو لڑا وہ یہ تھا جو اس عزیز نے اپنے 75 ہزار لینے کے لئے اس پر کیا تھا۔ امریکہ ہم سے اتنا آگے ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں ہم نے امریکہ کو آگے لگا رکھاہے۔ اس نے تو اتنی ترقی کرلی ہے کہ سنا ہے اس نے ایسی دوابھی ایجاد کرلی جو پنسلین کا علاج ہے۔ وہاں کی گشتی پولیس ایسی ہے رات کو تلاشی میں پیسے نکالتی نہیں خود اپنے پاس سے دیتی ہے تاکہ راستے میں کوئی غنڈہ ملے تو اسے پیسے دے کر آپ محفوظ اپنے گھر پہنچ سکیں۔ ہمارے ہاں

بھری جیب ہو تو خطرہ ہوتا ہے۔ وہاں رات کو خالی جیب پھرنے والے کو خطرہ ہوتا ہے۔
پہلے لوگوں کو پولیس سے یہ شکایت تھی کہ یہ آبروریزی اور ڈاکوں کے بعد ان جگہوں پر پہنچتی ہے لیکن اب تو کئی جگہوں پر پولیس پہلے پہنچتی ہے یہ سب بعد میں ہوتا ہے۔
پہلے تھانوں کے اندر غنڈے اور بدمعاش ہوتے تھے اگرچہ تھانوں کا عملہ تو اب بھی تھانوں کے اندر موجود ہوتا ہے۔ لیکن علاقے کے زیادہ تر شریف "اندر" ملیں گے جس سے تھانوں کا ماحول شریفانہ ہو رہا ہے۔ سو ہمیں یہ سروے رپورٹ چھ ماہ میں اتنی بہتر ہونے پر حیرانی نہیں ہوئی بلکہ اس پر حیرانی ہوئی کہ یہ اتنی بہتر کیوں نہیں جتنی ہماری پولیس ہے۔ ایک بار ہماری نظر سے ایک ایسی سروے رپورٹ گزری جس میں 105 فیصد لوگوں نے گشتی پولیس پر اعتماد کیا تھا۔ ہم نے کہا اگر جرائم پیشہ لوگ بھی پولیس پر اعتماد کریں تب بھی نتیجہ سو فیصد تو ہوسکتا ہے یہ 105 فیصد کیسے ہو گیا۔ کہا گیا "جن لوگوں سے سوال پوچھے گئے ان سب نے اعتماد کا اظہارکیا اور کچھ ایسے لوگوں نے بھی اعتماد کا اظہار کتا تھا جن سے ہم نے سوال نہیں پوچھے تھے سو اعتماد 5 فیصد اور بڑھ گیا۔" اعدادو شمار پولیس کی طرح ہمارے بھی "اعداء شمار" ہوتے ہیں ہمیں تو کوئی پوچھے اناسی اور نواسی میں کیا فرق ہے تو ہم ہی کہیں گے اناسی 79 کو کہتے ہیں جبکہ نواسی ایک رشتہ ہے بہرحال شکر ہے سروے صرف 6 ماہ بعد ہی کر لیا گیا ایک سال بعد کرتے تو لوگوں کا اعتماد کئی سو فیصد نکلتا۔
محترمہ عابدہ حسین صاحبہ نے کہا ہے میں نے ڈپلومیسی تھانہ قادر پور جھنگ سے سیکھی۔ اس کی وجوہ تو وہ خود بتائیں گی ہمیں اتنا پتہ ہے ڈپلومیٹ اور پولیس والے آپ کے پیچھے آرہے ہوں تو انہیں بھی پتہ ہوتا ہے وہ پیروی کر رہے ہیں یا پیچھا کر رہے ہیں۔ ویسے ایک بار محترمہ نے کہا "میں تھانے نہیں آ سکتی" پوچھا "کیوں؟" تو کہا "مجھے تکلیف ہے۔" پوچھا "کہاں" تو بولیں "تھانے میں" جتنا کام پولیس کرتی ہے اتنا ہم آرام کریں تو تھک جائیں۔ "ہمیں لگتا ہے پولیس بھرتی کے وقت ان میں یہی خوبی دیکھی جاتی ہے

کہ پانچ منٹ کے نوٹس پر سو کر دکھائیں۔

پہلے لوگ تھانے جا کر "پرچہ" درج کراتے اب تو پولیس والے خود پولیس کے بارے میں "پرچہ" مارکیٹ کر رہے ہیں۔ پہلے کتابوں کے شروع میں مقدمہ کسی بڑے ادیب سے لکھوایا جاتا۔ ممکن ہے اب پولیس کہے کہ ہر کتاب کا مقدمہ صرف پولیس آفیسر سے ہی درج کروایا جائے۔ یہی نہیں جن دنوں پھٹی جین کی پتلون فیشن میں تھی تو ہم نے ایک نوجوان سے پوچھا "اس لباس کو کون بناتا ہے" کہا: "پولیس" ممکن ہے سروے کا یہ بہتر نتیجہ سروے کے طریقہ کار میں بہتری کی وجہ سے نکلا ہو۔ پہلے سوال لوگوں کے گھر جاجا کے پوچھے گئے تھے ممکن ہے اس بار سوال تھانے بلا کر پوچھے گئے ہوں۔ ویسے بھی پولیس کے سوالوں کا جواب دینا اتنا مشکل نہیں جتنا سوالوں کا جواب نہ دینا۔ وہ تو گونگوں کو بھی بلوالیتے ہیں۔ گوجرانوالہ کے ایک گونگوں بہروں کے ایک سکول میں پولیس آفیسر کو مہمان خصوصی بنایا گیا تو کسی نے اعتراض کیا کہ آج کی تقریب میں اس "سپیچ تھراپسٹ" کو بلانا چاہیے تھا جس نے سب سے زیادہ گونگوں کو "بلوایا" ہو تو منتظم نے کہا "اسی لئے تو انسپکٹر صاحب کو بلایا ہے۔" پہلے جو تھا۔ ۔ ۔نہ اب تھانہ بن گیا ہے پولیس کی کارکردگی اتنی بہتر ہو گئی ہے کہ دوسرے محکموں کو اس سے سبق سیکھنا چاہیے لیکن کیا کریں پولیس کو بھی وہی مسئلہ درپیش ہے جو اقبال ساجد کو تھا۔ شاعر اقبال ساجد نے کسی دوست سے پیسے ادھار لیے' دو سال بعد اچانک اقبال ساجد نے دس روپے نکال کر اس دوست کو کہا یہ لو تم سے دو سال قبل ادھار لئے تھے تو اگلے نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کردیا کہ تم کیا چاہتے ہو تمہارے بارے میں میں نے جو رائے دو سال میں جا کے بنائی ہے وہ دس روپے میں بدل دوں۔

○○○

- بے۔ ۔ ۔ ۔ کارنامہ

جو کسی کے منہ پر سچ کہے اور دوسرے کو اس پر غصہ آنے کی بجائے ہنسی آئے وہ مزاح نگار ہوتا ہے۔ معشوق اور مزاح نگار کی تو خیر سے گالی بھی خیر سگالی میں ہی آتی ہے لیکن ہمارے لئے یہ مسئلہ ہے کہ ہم کسی کی تعریف کررہے ہوں تو سننے والے سمجھتے ہیں مذاق کررہے ہیں۔ بہرحال ہم پنجاب پولیس کے "سردار" کے بڑے معترف ہیں حالانکہ ہم انہیں کبھی نہیں ملے' معترف ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے وہ ہمیں اس لئے بھی پسند ہیں کہ ہم نے مردوں کو بھی ان کے سامنے "آئی جی! آئی جی!" کہتے سنا ہے لیکن ہم ان کی تعریف اس لئے کررہے ہیں کہ ان کے بقول ان کے تین پولیس آفسروں نے اکیسویں صدی کے مسائل کا حل تلاش کر لیا ہے۔

اکیسویں صدی میں کیا ہوگا؟ اس کا ہمیں اتنا ہی علم ہے کہ جو اب تک نہیں ہوا وہ اکیسویں صدی میں ہوگا وہ بیسویں صدی میں نہیں ہوگا لیکن بیسویں صدی والے اکیسویں صدی میں ہوسکتے ہیں' پھر اکیسویں صدی میں ہمیں یہ خوبی بھی نظر آتی ہے کہ وہ یکدم نہیں آرہی ہے ایک ایک دن کرکے آئے گی لیکن ہمارے ایک نجومی دوست کے مطابق آج کل چینی سفید ہوتی ہے' اکیسویں صدی میں "بلیک" ہوگی اتنے چھوٹے بچے کاریں چرانے لگیں گے کہ انہیں ابھی کاریں چلانا بھی نہ آتا ہوگا' یوں انہیں شوفر سمیت کاریں چرانا پڑیں گی۔ معاشرے کی اصلاح کی بجائے معاشرے کے اسلحہ کا ذکر ہوا کرے گا۔ آج دس سپاہیوں کے حصے میں ایک کلاشنکوف آتی ہے تو تب دس کلاشنکوفوں کے حصے میں ایک سپاہی آئے گا۔ ہمارا خیال تھا کہ اکیسویں صدی میں بڑا مسئلہ ہی یہ ہوگا کہ ان کے پاس کوئی مسئلہ نہ ہوگا اور یہ مسئلہ سوائے پولیس کے کوئی حل نہیں کرسکتا۔ ہمارے ایک دوست نے کہا ہم میاں بیوی میں کوئی مسئلہ ہو تو ہم آپس میں بات چیت نہیں کرتے' سننے والے نے کہا اگر بات چیت نہیں کرتے تو پھر مسئلہ کیا ہے؟" ایسے

ہی لاہور کے ایک ایم پی اے کے حلقے کے لوگوں نے کہا ہمیں ایک مسئلہ درپیش ہے' ایم پی اے نے کہا "مقامی پولیس آپ کے مسئلوں میں دلچسپی لیتی ہے؟ جواب ملا "ہاں یہی تو مسئلہ ہے۔"

پولیس کے بارے میں ہم نے جب بھی ایماندارانہ رائے دینا چاہی کہا گیا پیشہ ورانہ رائے دو' اصل میں پولیس کو بدمعاشوں اور گناہگاروں کی صحبت میں رہنا پڑتا ہے' سو صحبت کا اثر تو ہوتا ہی ہے۔ سو انہیں سدھارنے کا طریقہ یہی ہے کہ تھانوں میں زیادہ سے زیادہ بے گناہوں اور شریفوں کو رکھا جائے تاکہ پولیس کو اچھی صحبت نصیب ہو۔ اس کے باوجود ہم پولیس کی وجہ سے محفوظ ہیں۔ ظاہر ہے کہ پولیس نہ ہوتی تو ہمیں محفوظ رہنے کی کیا ضرورت تھی' بقول یوسفی اتنے جرائم قابل دست اندازی پولیس نہیں ہیں جتنے قابل دست درازی پولیس ہیں۔ حوالات کے احوالات میں ہم نہیں جاتے کہ اسکا کیا ذکر جس کے شروع میں "حوا" اور آخر میں "لات" ہو۔ مجرموں اور پولیس والوں میں مقابلہ ہوتا رہتا ہے جس میں پولیس کبھی اول اور کبھی دوم رہتی ہے اگر ان کا مقابلہ عوام سے ہو تو پولیس ہمیشہ سوئم پر ہی آتی ہے۔

پولیس میں بھرتی کے لئے سب سے لازمی سونگھنے کی حس کا ہونا ہے اسی حس والے حساس ادارے نے ایک بار اقبال ساجد کو عدالت میں پیش کیا۔ عدالت نے پوچھا آپ کو کس نے پکڑا؟ کہا "دو سپاہیوں نے" پوچھا "نشہ کیا تھا؟" کہا "ہاں دونوں نے" سنا ہے ہمارے ہاں جسٹس ہوتی نہیں جسٹس ہوتے ہیں۔ پہلے لوگ انسپکٹر خریدتے تھے اب تو انسپکٹری خرید لیتے ہیں۔ فریقین میں سے آپ جس سے رشوت نہ لیں تو وہ الزام لگاتا ہے کہ پولیس دوسری پارٹی سے ملی ہے' سو کیسوں میں غیر جانبدار رہنے کے لئے دونوں سے لینا پڑتی ہے۔ ہماری پولیس کوزے میں سمندر نہ سہی کوزے گر کو بند کرسکتی ہے۔ ایسے جوان بھی پولیس میں ہیں جنہیں پتہ ہی نہیں "خوف" کے کیا معنی ہیں؟ ہوسکتا ہے آپ کہیں کہ ایسے جوانوں کو تھپکی کی بجائے ڈکشنری دینا چاہیے۔

ہم آئی جی صاحب کو کوئی مشورہ تو نہیں دینا چاہتے کہ اونٹ دیکھ کر ہمیں ہمیشہ لگتا

ہے خدا نے اسے مشوروں سے بنایا کہ ایسا نتیجہ ایسے ہی نکلتا ہے۔ تاہم یہ ضرور سوچتے ہیں کہ اکیسویں صدی کے مسائل کا حل تو انہوں نے ابھی سے تلاش کرلیا ہے۔

پھر اکیسویں صدی میں وہ کیا کریں گے؟ قیاس ہے کہ بیسویں صدی کے مسائل کا حل تلاش کریں گے۔ اگرچہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے مگر ہم کیا کریں' ڈاکٹروں نے میٹھے سے منع کررکھا ہے۔

○○○

• ٹاپے رائٹر ..... ٹائپ رائٹر

صاحب! جیلوں کا شروع سے ہی ادب پر بڑا احسان ہے۔ شعر سنانے کے لئے تو جیل سے اچھی جگہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی' کیونکہ یہ واحد جگہ ہے' جہاں سننے والے کے بھاگ جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا۔ ایک خبر کے مطابق سابق ہیوی ویٹ چمپئن مائیک ٹائی سن نے جیل میں ناول لکھنا شروع کردیا ہے جس کا نام "برین ڈیڈ" ہے روزانہ جتنا لکھتے ہیں جیل کے عملے کو سناتے ہیں' اب تو جیل حکام اپنے کمروں کو اندر سے تالہ لگانے لگے ہیں۔ وہ بھی اتنا بڑا کہ بقول شخصے "یہ تالہ ہے یا اللہ تعالیٰ ہے۔" ہم مائیک ٹائی سن کو جانتے ہیں اس لئے ہم نے ناول کے نام "برین ڈیڈ" یعنی مردہ دماغ سے اندازہ لگایا کہ یہ ان کی آپ بیتی ہوگی مگر کہہ نہیں سکتے کیونکہ ٹائی سن کے ہاتھ اتنے لمبے ہیں' کہ وہ تو کسی کے سامنے اپنے دوست کو دراز بھی کریں تو لگتا ہے' دست درازی کررہے ہیں۔ یہی کچھ کرنے کے نتیجے میں آج کل جیل والے ان کو بھگت رہے ہیں ٹائی سن جس علاقے میں رہیں ان کے سب سے بڑے مداح وہاں کے ڈینٹل ڈاکٹر ہوتے ہیں کیونکہ موصوف کی وجہ سے ان کے ہاں رش رہتا ہے۔ وہ خود بلیک ہیں امید ہے ان کا ناول بھی بلیک ہوگا' وہاں کے صحافیوں نے تو لوگوں کو مشورہ دے دیا ہے کہ پہلی فرصت میں مائیک ٹائی سن کا ناول پڑھ لیں ورنہ جیل سے رہا ہونے کے بعد آپ کی اس سے ملاقات ہوگئی اور اس نے پوچھا کہ میرا ناول پڑھا ہے؟ اگر جواب نہیں ہوا تو پھر آپ بھی نہیں ہوں گے۔

باکسر مائیک ٹائی سن اتنا مالدار ہے کہ محبوبہ کو تحفے میں کار دیتا تو ساتھ ایک سڑک بھی لے دیتا جس پر وہ کار چلا سکے۔ خیر محبوبہ کو سڑک تحفے میں دینا کوئی بڑی بات نہیں ہم ایک بھکاری کو جانتے ہیں جس نے تحفے میں محبوبہ کے بھائی کو اپنی سڑک دے دی تھی۔ سنا ہے مائیک ٹائی سن نے ناول کی تعمیر کے لئے بہت مہنگا پلاٹ خریدا' اگرچہ "برین

ڈیڈ" کا ہیرو ایک باکسر ہے۔ مصنف پڑھنے والوں کو ہیرو باکسر کے ساتھ رنگ میں لے جاتا ہے اور ہیرو کو ان پر چھوڑ کر خود باہر آجاتا ہے۔ ہیرو اتنا پیٹتا ہے کہ ہمیں تو پبلشر کے بھی پٹنے کا ڈر ہے۔ یوں یہ ناول اتنا دل پر اثر نہیں کرتا جتنا جبڑوں پر' ناول کی ہیروئین سورج کے طلوع ہوتے ہی لباس سے طلوع ہوتی ہے اور ہیرو میں غروب ہوجاتی ہے۔ بہرحال یہ تو آپ مانیں گے ہیوی ویٹ چیمپئن رائٹر سے زور دار حملہ اور جملہ کس کا ہوسکتا ہے۔ ٹائٹل کے لئے ایک کارٹونسٹ نے مائیک ٹائی سن کا کارٹون بنایا ہے' جس پر ٹائی سن نے کارٹونسٹ سے کہا:

"تم نے بہت اچھا کارٹون بنایا ہے" تو اس نے انکساری سے کہا "میں نے نہیں اللہ نے بنایا ہے۔"

ہماری ذاتی رائے میں شاعری کی کتاب پر تبصرہ آسان ہوتا ہے۔ ڈاکٹر بشیر بدر صاحب نے فراق گورکھپوری کو کتاب "اکائی" بھیجی۔ درخواست دی کہ اپنی گرانقدر رائے سے نوازیں تو انہوں نے لکھ کر جو رائے بھیجی وہ یہ تھی۔

"اکائی" دھائی سینکڑہ' ہزار' دس ہزار' آپ کا فراق گورکھپوری"

شاعری کی کتاب چھپنا ویسے بھی مہنگا پڑتا ہے' میرے دوست "ف" نے کہا میں نا واقف صاحب کو بڑا شاعر مانتا تھا مگر؟ پوچھا مگر کیا انہوں نے شاعری چھوڑ دی؟ کہا نہیں ان کی کتاب چھپ گئی۔

کئی برس قبل ہم نے رضیہ بٹ کے ناول پر تبصرہ لکھا تھا "ناول بہت اچھا لکھا ہے' کاتب نے کمال کیا ہے" ویسے بھی ہم ناول نگاری زنانہ صنف سخن سمجھتے ہیں شاید اسی لئے مائیک ٹائی سن نے اس طرف ہاتھ بڑھایا ہے۔ خاتون ناول نگاروں کے بارے میں تو مشتاق احمد یوسفی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ اگر کسی خاتون ناول نگار کی جنس بھی بدل جائے اور اس کی مونچھیں نکل آئیں پھر بھی لوگ اس کو سابق خاتون ناول نگار کہہ کہہ ہی پکاریں گے۔ ویسے شاید خواتین اس لئے زیادہ ناول لکھتی ہیں کہ ناول طویل ہوتا ہے یوں اسے لکھنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ بہرحال مغرب میں ناول مر رہا ہے اور ہمارے

ہاں ناول نگار مر رہا ہے۔

تنقید کا ادب میں وہی مقام ہے جو کھیلوں میں باکسنگ کا۔ ایک بار جوش صاحب کو ملازم نے آکر کہا:

"ایک صاحب آئے ہیں' کہتے ہیں میں نقاد ہوں"

پوچھا "اکیلے ہیں؟"

کہا "نہیں ساتھ سات آٹھ بندے ہیں' وہ کہتے ہیں یہ میرے دوست ہیں"

جوش صاحب نے جوش میں آکر کہا "وہ جھوٹ بول رہے ہیں میں اسے نقاد نہیں مانتا۔"

کسی نے کہا "آپ دیکھے بغیر یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ جوش صاحب بولے "جس کے سات آٹھ دوست ہوں وہ نقاد کیسے ہو سکتا ہے؟"

سو صاحب' ہم نقاد تو نہیں' اتنا جانتے ہیں ناول پڑھنے سے آسان کام ایک ہی ہے وہ ہے ناول لکھنا۔ سمرسٹ میوگھم نے کہا تھا ناول لکھنے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں' لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ کوئی نہیں جانتا یہ تین کیا ہیں؟ ہمارے خیال میں لکھنے کے لئے صرف ایک چیز ضروری ہے وہ ہے ٹائپ رائٹر۔ آج کا ٹاپ کا رائٹر ٹائپ ہے اور ریڈر' پروف ریڈر' مائیک ٹائی سن کو یہ سب میسر ہیں' اسی لئے انہوں نے کہا ہے باکسنگ کی طرح میں رائٹنگ میں بھی ہمیشہ جیتوں گا' ہمیں بھی امید ہے کہ ان کا ناول پہلے ہی راؤنڈ میں قارئین کو ناک آؤٹ کردے گا۔

○○○

- بلدیہ عظمیٰ بی بی

صاحب! ہم سمجھتے رہے صرف پولیس میں بھرتی ہونے کے لئے ہی بنیادی صلاحیت یہ ہوتی ہے کہ بندہ کھڑا کھڑا اپنی نیند پوری کرسکے۔ گذشتہ دنوں اخبار میں بلدیہ عظمیٰ بی بی

کے میاں عبدالمجید صاحب کو ایک تقریب میں سوتے میں دیکھا تو پتہ چلا کہ میئر بننے کے لئے بھی یہی بنیادی کوالیفی کیشن ہے۔ ان سے قبل خواجہ ریاض محمود صاحب میئر تھے' وہ جس تقریب میں نہ سوتے منتظمین پریشان ہو جاتے کہ ہو نہ ہو خواجہ صاحب کو ہماری تقریب پسند نہیں آئی۔ میاں عبدالمجید صاحب سب کام خاموشی سے کرتے ہیں' وہ سوئے ہوئے بھی خاموش ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خاموش ہوں تو سوئے ہوئے ہوتے ہیں' وہ تو اتنا کم سوتے ہیں کہ آپ ان سے جو بات کررہے ہوتے ہیں وہ ابھی پوری نہیں ہوتی اور وہ نیند پوری کرچکے ہوتے ہیں' گویا ادبی تقریبات کے صدر ہونے کی فطری صلاحیتوں سے مالا مال ہیں۔ جیسے کسی نے کرنل قذافی سے پوچھا کہ فوجی اعزاز سے دفن ہونے کے لئے بندے کو کیا ہونا چاہیے "مردہ ہونا چاہیے" ایسے ہی ہم سے کوئی پوچھے کہ تقریبات میں سونے کے لئے سب سے ضروری میئر ہونا ہے تو ہم کہیں گے نہیں سب سے ضروری تقریب کا منعقد ہونا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ عورتوں کا چہرہ سونے کے بغیر سونا سونا لگتا ہے اور مردوں کا چہرہ سونے کی وجہ سے سونا سونا ہے۔ ہمارے ہاں سرکاری دفتر سونے کی کانیں ہیں۔ ہم خود اس وقت اٹھتے ہیں جب دوبارہ سونا ہو۔ کسی نے ایک بار پوچھا آپ سو سو کر تھک جائیں تو کیا کرتے ہیں' ہم نے کہا تھک جائیں تو پھر سو جاتے ہیں۔ خیر اب تو نیند اتنی کم ہوگئی ہے کہ ہر دو تین دن کے بعد آنکھ کھل جاتی ہے' لیکن کیا کریں سوئیں نہ تو دوست میر کہنے لگتے ہیں۔ سوجائیں تو میئر ہمارے ہاں تو نائٹ میئر اور میئر دونوں کا

تعلق نیند سے ہے۔ ویسے نیند چھوت کی بیماری ہے جو ایک میئر سے دوسرے کو لگتی ہے۔
یہی خوبیاں اور خوابیاں ہمیں میاں عبدالمجید صاحب میں پسند ہیں اور ہم جنہیں پسند کرتے ہیں ان کی خوبیاں ہی ڈھونڈتے ہیں۔ اس کا مطلب ہی نہیں کہ ان کی خوبیاں ڈھونڈنا پڑتی ہیں۔ بہرحال میاں صاحب نرم دل آدمی ہیں۔ ایک شخص ان کے پاس آیا کہ میرے پاس سر چھپانے کو کچھ نہیں تو انھوں نے فوراً ٹوپی عنایت کردی۔ وہ ایسی دلچسپ شخصیت ہیں کہ اب تو لوگ انہیں شادیوں پر بھی بلانے لگے ہیں۔ ان کے خاندان سے پہلے میئر محمد حسین ہوئے ہیں جو زندہ دلان لاہور کی زندہ دلی کا نمونہ تھے' اگرچہ یہ بھی نمونہ ہی ہیں۔ محمد حسین صاحب گفتگو میں "ج" یوں بولتے ہیں جیسے ز' اس لئے جلیل نام کے لوگوں نے انہیں منع کر رکھا تھا کہ ہمیں محفل میں نام لے کر نہ بلایا کریں۔
ایک بار انہوں نے اس بات پر اپنے پی اے کو جھاڑ دیا کہ تم نے تو کہا تھا "مندرجہ ذیل سڑک" کی مرمت کرادی گئی ہے' مجھے تو روز اسی سڑک کی شکایتیں موصول ہو رہی ہیں' ہر درخواست میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ "مندرجہ ذیل سڑک" ٹوٹی ہوئی ہے۔ وہ بھی فی البدیہی ہوسکتے تھے' اگرچہ میاں عبدالمجید صاحب کو دیکھ کر کبھی نہیں لگا کہ یہ ابھی سوجائیں گے' ہمیشہ یہی لگتا ہے کہ ابھی سو کر اٹھے ہیں۔ وہ لاہوری ہیں' پہلے لاہوری مرغ کی بانگ پر اٹھتے اب اٹھ کر مرغوں کو ہلاتے ہیں تاکہ وہ بانگ دے سکیں۔
اگرچہ جاپان میں آپ کو ہر وقت ناشتہ مل سکتا ہے بس آپ کو یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ آپ ابھی اٹھے ہیں' لیکن میئر صاحب وہاں گئے تو جب بھی ملازم علی الصبح ناشتہ لے کر آتے یہ ناشتے کے کمرے میں موجود ہوتے۔ جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ ناشتہ سونے والے کمرے میں کرتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میاں صاحب ہمیشہ خواب خرگوش کے مزے لیتے رہتے ہیں' ویسے بھی خرگوش کے خواب میں مرے لینے والی بات کیا ہوتی ہوگی؟ میئر صاحب نے دورے کے بعد بتایا کہ وہاں کی سڑکیں ایسی ہیں کہ ان پر تو کوئی تھوکتا بھی نہیں۔ پاکستان دنیا کا پہلا ملک ہے جہاں ڈسپوزایبل

سڑکیں بنائی جاتی ہیں جہاں وزیر اعظم صاحب نے جانا ہو' وہاں سڑک بچھا دی جاتی ہے جو بعد میں لپیٹ لی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود کسی بچے سے بھی پوچھو کہ سڑکیں کس نے بنائیں تو وہ یہی کہے گا شیر شاہ سوری نے۔ یہی نہیں سڑکیں دیکھ کر آپ کو یقین ہوجائے گا یہ واقعی اسی دور کی ہیں پھر بھی ان سڑکوں پر فلائی کیا جاسکتا ہے۔ ویسے اب اگر کوئی پوچھے لاہور کس حالت میں ہے؟ تو ہم یہی کہیں گے قابل اعتراض حالت میں ہے۔ بلب جان بلب' جمعدار اور مجمعدار' عرضی اور مرضی کے مالک ہیں پھر سارے لاہور کی صفائی اکیلے میئر کے ذمے ہے' ایک بندہ اتنا بڑا شہر کیسے صاف کرسکتا ہے۔

میاں عبدالمجید صاحب میاں اظہر صاحب کے بعد اس دہائی میں لاہور کے دوسرے میاں ہیں اور آپ کسی بھی شادی شدہ سے پوچھ لیں' دوسرا میاں ہونے کا یہ نقصان تو ہوتا ہے کہ آپ کی ہر بات کا موازنہ پہلے میاں سے کیا جاتا ہے۔ پھر بھی میاں عبدالمجید صاحب لاہور کو دلہن بنانا چاہتے ہیں۔ اسی حالت میں اگر وہ ان کی دلہن بن بھی گیا' پھر بھی وہ دلہن نہیں دادی کہلائے گا' لیکن میاں صاحب کہتے ہیں میں تو سوتے وقت بھی لاہور کو حسین بنانے کے بارے میں سوچتا ہوں' شاید اسی لئے جب وہ لاہور کو خوبصورت بنانے کا سوچتے ہیں سوجاتے ہیں۔

○○○

• امریکہ کا مرد اول

صاحب! آپ امریکیوں کو الٹا ہو کر دیکھیں تو بڑے سیدھے سادھے لوگ ہیں۔ ہمارے ہاں تو ہر بندے کو صدر نہ بننے کے یکساں مواقع میسر ہیں' لیکن وہاں تو کسی سے یہ پوچھیں کہ اگر آپ کو صدر بنا دیا جائے تو۔۔۔۔ تو وہ یہی کہے گا اس وقت میرے پاس ٹائم نہیں پھر آیئے۔ اڈلائی لیٹونیسن نے تو کہا تھا کہ امریکہ کا صدر نہ بننے کی جو سب سے بہتر وجہ میں سوچ سکا ہوں وہ یہ کہ صدر بننے کے بعد بندے کو دن میں کئی بار شیو کرنا پڑتی ہے' اس حساب سے تو ہمارے اسلام سلیمانی صاحب بھی امریکی صدر بننے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس بار نوجوان کلنٹن وہاں کے صدر بنے ہیں کلنٹن کو کوئی نوجوان کہے تو ہمیں بہت خوشی ہوتی ہے کہ اس حساب سے ہم بیس سال اور نوجوان رہیں گے بہرحال ہیلری کے خاوند کلنٹن کے صدر بننے پر وہاں کے ایک اخبار نے یوں تبصرہ کیا ہے کہ یہ پہلی مرتبہ ہے' جب واشنگٹن میں دو صدر ہوں گے واشنگٹن وہ شہر ہے جو چاروں طرف امریکہ سے گھرا ہوا ہے اور وہاں آواز روشنی سے زیادہ رفتار میں سفر کرتی ہے' پہلے تو ہم نے سوچا یہ بات کلنٹن کی تعریف میں کہی گئی ہو گی کہ وہ اکیلے دو کے برابر ہیں پھر (Hilary) جیسی (Hillarious) بیوی کے ساتھ ان کی کامیاب شادی بھی اس کا ثبوت مہیا کرتی ہے' یہ بھی ممکن ہے دوسرے صدر سے مراد نائب صدر ہو لیکن اس پر تھامس مارشل کا یہ تبصرہ ہی کافی ہے کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے دو بھائی تھے' ایک سمندر میں اتر گیا اور دوسرا نائب صدر ہو گیا اس کے بعد دونوں کی کوئی خبر نہیں ملی۔

جنگ عظیم دوم کے بعد کئی مسائل نے جنم لیا کلنٹن بھی انہی دنوں پیدا ہوئے ان کا تعلق ارکنساس کے قصبے "ھوپ" سے ہے' یعنی یہ پہلے امریکی صدر ہیں جو "ھوپ" یعنی امید سے ہیں بولتے ہوئے خوبصورت لگتے ہیں اور بولتے ہوئے ویسے خوبصورت لگتا ہے جو نہ

بولے تو بھی خوبصورت ہو' کہتے ہیں وہ تین دن تک لاہور میں تانگے میں جتے گھومتے رہے بقول یوسفی تانگہ کسی گھوڑے کی ایجاد ہے۔ اسی لیے اس کے ڈیزائن میں یہ حکمت پوشیدہ رکھی گئی ہے کہ گھوڑے سے زیادہ مشقت سواری کو کرنا پڑتی ہے' لیکن انگریز بے وقوف لگتا ہے تو واقعی بے وقوف ہوتا ہے ہسپانوی عقلمند لگتا ہے مگر دراصل بے وقوف ہوتا ہے جبکہ امریکی عقلمند لگتا ہے اور واقعی عقلمند ہوتا ہے' اس پر ہمیں اعتراض نہیں مسئلہ یہ ہے کہ وہ جب عقلمند نہیں لگتا تب بھی عقلمند ہوتا ہے' سو ہمیں یقین ہے کلنٹن نے تانگے کا سفر یہ جاننے کے لئے کیا ہو گا کہ تانگے کے "بم" کیسے ہوتے ہیں؟ ویسے تو بینجمن فرینکلین کے بقول ڈیمو کریٹ پارٹی ایسی ہے جیسے کوئی تانگے کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہو کہ اسے صرف وہی چیز نظر آتی ہے جو گزر چکی ہوتی ہے' اس لئے جب بھی کوئی ڈیمو کریٹ جیتا ہے تو یہی کہتے ہیں گدھا جیت گیا۔

امریکی ماضی سے زیادہ مستقبل پر نظر رکھتے ہیں' ہم لوگ اکیلے بیٹھ کر یہی سوچتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد کون تھے؟ ان کو اگر سوچنا پڑ بھی جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ سوچیں گے ان کا والد کون تھا؟ اس لئے امریکیوں نے بوڑھے بش کی جگہ کلنٹن کو چنا حالانکہ بش نے کہا تھا اگر عوام نے مجھے شکست دی تو پھر میں بھی بدلہ لوں گا اور کلنٹن کو ان کا صدر بنوادوں گا جو کہ نصف صدر ہو گا' اس بات کا مفہوم وہی ہے جو اخباری تبصرے کے مطابق دو صدر ہونے کا ہے' ہمیں لگتا ہے یہ اشارہ کلنٹن کی نصف بہتر کی طرف ہے' جیسے لیڈی ڈیانا پیشے کے اعتبار سے شہزادی' ہمارے ہاں کی عورت پیشے کے خانے میں بیوی لکھتی ہیں ایسے ہی ہیلری وکیل لکھتی ہے وہ ہر کام کرنے کی چار وجوہ بتائے گی ان میں وہ وجہ شامل نہ ہو گی جو اصل ہو گی ہیلری حالات کا زنانہ وار مقابلہ کرتی ہے وہ یہ نہیں کہتی عورت مرد کے برابر ہے' وہ کہتی ہے مرد عورت برابر ہے۔ حافظہ ایسا کہ صحافی نے پوچھا جب آپ کلنٹن سے پہلی بار ملیں تو انہوں کیا پہن رکھا تھا سوچ کر کہنے لگیں انہوں نے کپڑے پہن رکھے تھے' شادی کے بعد ہیلری چاہتی تھی کلنٹن برطانوی وزیر اعظم کی طرح لباس زیب تن کرے لیکن یہ ممکن نہ

ہوسکا کیونکہ ان دنوں برطانوی وزیراعظم مسز تھیچر تھیں۔ کلنٹن ایک وائف میڈانسان ہے اس کی یہ جیت اس کی اہلیت' اہلیہ کی مرہون منت ہے لیکن ہیلری وہ عورت نہیں جو صدر کی بیوی ہونے کے ناطے خاتون اول کہلا کر خوش ہو اس کے ہوتے ہوئے تو کلنٹن ہی مرد اول ہو گا یوں امریکیوں کی ایک ٹکٹ پر دو صدر مبارک ہوں۔

○○○

- نا۔ ۔ ۔ ۔ ۔شادیاں

لاہوریوں کے لئے گرما اور سرما موسموں کے نام نہیں‘ پھلوں کے ہیں ان کے ہاں چار موسم یہ ہوتے ہیں‘ گرمیاں سر گرمیاں برسات اور موسم بر ساتھ یعنی شادیوں کا موسم یوں یہاں سردیاں اور شادیاں ایک ساتھ آتی ہیں۔ جارج ہربرٹ کے بقول سردیوں میں ایک میل بھی دو میل کے برابر ہوتا ہے شاید یہی اصول اس موسم کی ایک شادی پر لاگو ہوتا ہوگا‘ لیکن اب شادیوں پر یہ ہونے لگا تھا کہ لوگ لڑکی والوں سے تاریخ طے کرنے کی بجائے پہلے وزراء اور وزیر اعظم سے تاریخ لینے لگے تھے۔ اولاد احمد صدیقی صاحب کو ایک بار لڑکیوں کے کالج میں گرائمر پر لیکچر دینا تھا‘ کالج کی پرنسپل نے کہا آپ تاریخ بتادیں تو اولاد احمد صدیقی صاحب نے کہا کہ تاریخ ہمیشہ لڑکیوں والے دیتے ہیں‘ سو آپ طے کرکے لیکچر کی تاریخ بتادیں۔ اگرچہ اولاد احمد صدیقی صاحب کی اپنی گرائمر بھی کچھ ایسی تھی کہ بیوی کو خط لکھتے تو آخر میں آپ کا اولاد لکھتے۔ جس پر کئی نقادوں نے اعتراض کیا کہ گرائمر کی رو سے صحیح جملہ آپ کی اولاد ہے۔ بہرحال ہم کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ وزراء سے شادیوں پر تاریں ملنے کی وجہ سے شادیاں ملتوی ہوتی ہیں اور اہل محلہ کئی کئی دن دولہے کو عجیب عجیب نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں تاہم وزیراعظم نواز شریف صاحب نے یہ اعلان کرکے کہ آئندہ وہ کسی کی شادی میں شرکت ہی نہیں کریں گے‘پاکستان میں شادیاں کم اور ناشادیاں زیادہ کردی ہیں۔ ایسا اعلان ہم نے بھی کیا تھا کہ کسی کی شادی میں نہیں جائیں گے اگر جائیں گے تو وہ کسی کی نہیں ہوگی‘ لیکن نواز شریف صاحب تو بڑے شادی پرور حکمران ہیں۔ ایک بوڑھا جو ہر بار آکر ان سے اپنی بیٹی کی شادی کے لئے رقم لے جاتا۔ ایک بار انہوں نے پوچھ ہی لیا کہ بابا تمہاری کتنی بیٹیاں ہیں؟ تو وہ بولا ایک ہے جی‘ پوچھا پھر اتنی بار شادی کا کہہ

کر رقم کیوں لے جاتے رہے' بولا "مائی باپ بیٹی تو ایک ہے مگر شادی تو ایک نہیں ہے۔"
ممکن ہے وزیر اعظم صاحب کے شادیوں پر جانے سے ایسے مسئلے جنم لیتے ہوں جیسے اخبار

میں دولہے کی نواز شریف کے ساتھ تصویر چھپی جس پر دلہن نے بہت برا منایا ہم نے
وجہ پوچھی تو کہنے لگی میرے دولہا کہہ رہے تھے' دل چاہتا ہے سال میں ایک آدھ
بار ایسی تصویر اخبار میں چھپ جایا کرے۔
پچھلے چند سالوں سے ہمارے ہاں عربوں کی طرح فی کس شادی کی شرح میں اضافہ ہوا
یہ شرح شرع کے مطابق ہے پھر یہ شادیاں کامیاب بھی ہوتی ہیں اگر نہ ہوں تو ہم
اس وقت تک کرتے رہتے ہیں جب تک کرنے میں کامیاب ہوں لیکن "سنڈے آبزرور"
کی رپورٹ کے مطابق مغرب نے جب سے ملازمتیں شروع کی ہیں پہلے تو بندہ یہ سوچتا
تھا وائف ہوگی تو اتنی تنخواہ میں کیسے پورا پڑے گا' اب یہ سوچتا ہے وائف نہ ہوگی
تو اتنی تنخواہ میں کیسے پورا پڑے گا۔ کہتے ہیں پہلے شادیاں سستی ہوتی تھیں' پھر سستی
چیز کا یہ بھی مسئلہ ہے کہ وہ اتنی پائیدار نہیں ہوتی۔ شادی پر دولہے کو گھوڑے پر
بٹھا کر ماں بہنیں یوں ہی رخصت کرتی ہیں جیسے پہلے زمانے میں بھی لڑائی شروع کرنے
کے لئے میدان میں بھیجا کرتیں' پھر دولہے کو آہستہ آہستہ چلا کر دلہن کے گھر لے
جاتے ہیں تاکہ اسے سوچنے کے لئے کچھ اور وقت مل جائے' ہوسکتا ہے وزیر اعظم صاحب
سمجھتے ہوں کہ میری موجودگی میں دولہا خود پر حکومتی دباؤ محسوس نہ کرے اور اپنے فیصلے
پر آزادانہ نظر ثانی کرسکے۔ شادیاں کھانے سے بندہ موٹا بھی ہوجاتا ہے' ویسے موٹاپے
سے بچنے اور سمارٹ رکھنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ رزق حلال کھائیں
کیونکہ رزق حلال کبھی اتنی مقدار میں نہیں ہوتا کہ اسے کھا کر بندہ موٹاپے کا شکار
ہوجائے' ہوسکتا ہے وہ شادیوں پر اس لئے نہ آنا چاہتے ہوں کہ براتیں ہمیشہ لیٹ ہوتی
ہیں' یوں وقت ضائع ہوتا ہے۔ ہمیں تو صرف ایک بارات یاد ہے جو مقررہ وقت سے
کئی منٹ پہلے پہنچ گئی تھی وہ محترمہ بھٹو کی بارات تھی۔ شادی واحد تقریب ہوتی ہے

جس میں مہمان خصوصی دولہا ہوتا ہے' عام آدمی کی زندگی میں صرف دو موقع آتے ہیں جب وہ مہان خصوصی ہوتا ہے اپنی شادی اور اپنی موت پر ہوسکتا ہے وزیر اعظم صاحب کسی تقریب میں نہ جانا چاہتے ہوں جہاں وہ مہمان خصوصی نہ ہوں۔ پھر شادی واحد اجتماع ہے جہاں لیڈروں کو تقریریں کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا اور لیڈر جہاں تقریر نہ کرسکے اسے وہ جگہ اپنا گھر لگنے لگتی ہے۔ پھر حکومت صرف اسے سلامی دیتی ہے جو کسی ملک کا سربراہ ہو' کسی بہادر کا یوم شجاعت ہو یا یوم شہادت۔ شاید اسی لئے شادی پر دولہے کو سلامی دینے کی رسم ہے۔ ممکن ہے وہ کسی اور کو سلامی دینے سے ہچکچاتے ہوں یا کسی ایسی تقریب میں جانا نہ چاہتے ہوں جس تقریب کا دولہا ان کے علاوہ کوئی اور ہو۔

○○○

• جناب نظر وٹو صاحب

برطانیہ میں پچھلے دنوں "مائیکروپینا" نامی بیماری میں مبتلا عورت نے کہا کہ مجھے سب چھوٹے چھوٹے نظر آتے ہیں' یہاں تک کہ اپنے والدین بھی ' یوں مجھے والدین کی پرورش کرنا پڑتی ہے۔ اس سے قبل ہم اس بیماری کو مردانہ سمجھتے تھے کیونکہ عورتوں کو تو ہر دوسرا شخص خود سے بڑا ہی لگتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ تو چھوٹے بھائی کو بھی کئی سال بڑا بتاتی ہیں۔ بہرحال اس بیماری میں سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ بندہ تربوز والے کو کہتا ہے یہ بیر کس بھاؤ ہیں؟ لیکن محترمہ بے نظر صاحبہ کے مشیر قیوم نظامی صاحب نے غلام حیدر وائیں صاحب میں بھی اسی بیماری کا انکشاف کیا ہے کہ موصوف کو بڑے بڑے جلوس بھی جلوسی نظر آتے ہیں۔ ہم سمجھتے تھے کہ جلوسی' جلوس کی مونث ہے چونکہ محترمہ بے نظیر صاحبہ نکال رہی ہیں تو وائیں صاحب نے اس حوالے سے جلوسوں کی جنس کا تعین کیا ہوگا مگر اب پتہ چلا کہ یہ سب مرض کی علامات ہیں۔ اگرچہ نظامی صاحب کا لہجہ تو ایسا ہے کہ وہ وزیر اعلیٰ بھی کہیں تو لگتا ہے وزیر آلہ کہا ہے۔ ان کو جب بھی ملو پی پی ہی کہتے ہیں بندہ بے شک کہے کہ میں پی کر آیا ہوں پھر بھی کہیں گے پی پی۔ قیوم نظامی صاحب نے علاج کا نسخہ بھی تجویز فرمادیا ہے اور کہا کہ وائیں صاحب عینک کا نمبر تبدیل کریں۔

ہمیں یہ تو پتہ نہیں کہ وائیں صاحب کو کھانسی اور عینک کب لگی' تاہم ہمارے فوٹو گرافر دوست ایک دن کہنے لگے' جب بھی وائیں صاحب کی تصویر کھنچتا' جناب نظر وٹو موجود ہوتے۔ آج پہلی بار وائیں صاحب کی اکیلے کی تصویر کھینچی ہے۔ ہم نے تصویر دیکھی تو اس میں وائیں صاحب عینک کے بغیر تھے۔ وائیں صاحب نظر کی عینک لگاتے ہیں یعنی عینک لگائی ہو تو لگتا ہے نظر لگی ہوئی ہے۔ ہم حیران ہیں کہ فطرت کتنی مستقبل بین

ہے جس نے اس وقت کان اور ناک بنائی جب ابھی عینک ایجاد بھی نہ ہوئی تھی۔ عینک دراصل عین نک ہے۔ اسی لئے لوگ سارا دن عینک صاف کرتے گزارتے ہیں۔ آدمی کی نظر جوں جوں کمزور ہوتی ہے اسے ماضی واضح نظر آنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی بیوی بھی اچھی لگنے لگتی ہے۔ ہمارے خیال میں 50 فیصد ہونے والی شادیاں ہیں۔ نظر کی عینک کبھی ہماری منظور نظر نہیں رہی ہمیشہ نظر وٹو ہی رہی لیکن پچھلے دنوں ہم نظر کی عینک لگوانے کے حق میں ہوگئے ہمارے کمزور نظر دوست نظر محمد بیوی کے ہمراہ ہنی مون پر گئے۔ واپس آئے تو ہمیں افسوس ہوا کہ ہم نے اسے نظر وٹو یعنی نظر کی عینک لگانے سے کیوں روکا تھا؟ کیونکہ وہ جس خاتون کے ساتھ واپس آئے تھے وہ ان کی بیوی نہ تھی۔ وائیں صاحب جس عمر میں ہیں اس میں جو چیز سب سے واضح نظر آتی ہے وہ دوسرے کی خامیاں ہیں۔ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ عینک لگانے سے صاف نظر آتا ہے' کیونکہ ایک عینک گزیدہ کے بقول نظر کی عینک لگانے سے پہلے جو کپڑے صاف نظر آتے تھے اب میلے لگتے ہیں' لیکن وائیں صاحب کی نظر تو ایسی ہے کہ عینک کے بغیر تو انہیں اپنی عینک نظر نہیں آتی۔ اندھیرے میں خود کو اپنی کھانسی سے پہچانتے ہیں' انہیں اچھا بھلا شخص عینک کے بغیر کارٹون نظر آتا ہے۔ اس لئے پی پی کے دور میں وہ خبر نامہ عینک اتار کر دیکھتے' پھر وہ سیاست دان ہیں۔ سیاست دانوں کو دوسرے کے کانوں سے سننا اور دوسروں کی آنکھوں سے دیکھنا ہوتا ہے۔ ویسے بھی ہمارے ہاں سرکاری دفترمیں کلرک بھرتی ہونے کے لئے تو میڈیکل چیک اپ کرانا پڑتا ہے مگر سرکار بننے کے لئے اس کی ضرورت نہیں۔ جنگ عظیم دوم میں جبری بھرتی کے دوران ایک شخص نے کہا میں تو دو فٹ سے آگے نہیں دیکھ سکتا' تو میجر نے کہا سیاست دان مت بنو' تمہیں بھرتی کیا جارہا ہے' دست بدست لڑائی میں کام آؤ گے۔

وائیں صاحب کی عینک بھی مسلم لیگی لگتی ہے ورنہ ہمیں تو عینک لگا کر بھی پی پی اور مسلم لیگ میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اگر کوئی ہے تو وہ وہی ہے جس کا ذکر حالیہ

امریکہ الیکشنوں میں ایک سٹور کے سیلز بوائے نے کیا۔ ملک نے پوچھا تم نے کس کو ووٹ دیا۔ کہا "کلنٹن کو" پوچھا "یہ فیصلہ کیسے کیا؟" کہا مجھے ری پبلکن پارٹی نے 50 ڈالر دیئے کہ بش کو ووٹ دینا" ڈیمو کریٹ پارٹی نے 40 ڈالر دیئے کہ کلنٹن کو ووٹ دینا جبکہ راس پیرو کے پیروکاروں نے 70 ڈالر دیئے' سو میں نے کلنٹن کو ووٹ دیا۔ اس لئے کہ وہ سب سے کم بدعنوان ثابت ہوئے۔"

وائیں صاحب کی عینک دیکھ کر ہمیں تو کبھی نہیں لگا کہ عینک اس چہرے کے لے موزوں نہیں یہ لگا کہ یہ چہرہ اس عین کے کے لئے موزوں نہیں۔ ویسے تو سیاست میں عینک بدلنا کوئی مشکل حل نہیں' لوگ آنکھیں بدل لیتے ہیں' لیکن ہمارا مشورہ ہے جیسے تھری ڈی فلمیں دیکھنے والوں کو خاص عینکیں دی جاتی ہیں' ایسے ہی پی پی والوں کو اپنے جلسے دیکھنے والوں کو ایسی عینکیں مہیا کرنی چاہئیں تاکہ آئندہ کسی عینک کی خرابی کی وجہ سے جلوس' جلوسی نظر نہ آئیں۔

○○○

- **جوا۔نی**

جو جوان ہونا نہیں چاہتا وہ کوئی جوان ہی ہو سکتا ہے ورنہ تو لوگ اس کے لیے اتنا کچھ کرتے ہیں کہ ہمارے ایک جاننے والے کو کسی ستر سالہ سنیاسی بابا نے کہا یہ دوا الو کے دماغ کے ساتھ استعمال کرو کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔ سو اس نے اپنا دماغ اور دوا استعمال کی' واقعی اس دوائی کو کھانے کے بعد پھر وہ بوڑھا نہ ہوا' جوانی میں ہی چل بسا' یہ الگ بات ہے جوانی میں بندہ مر بھی جائے تو لوگ پوچھتے ہیں کس پر مرا؟ لوگ جوان رہنے کے لیے بڑے کام کرتے ہیں مگر پیر پگاڑا صاحب نے کہا ہے "ہم ایسے کام نہیں کرتے جو بوڑھا کریں۔" وہ پیر ہیں اور پیروں کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں' ایک پیر صاحب کا دعوتی کارڈ آیا ہمارے مزار پر شام محفل سماع منعقد ہو رہی ہے اور ساتھ محفل کا وقت صبح دس بجے لکھا تھا ہمیں یہ تو نہیں پتہ ایسے کام کونسے ہوتے ہیں اور ویسے کونسے؟ اتنا پتہ ہے کہ جتنا کام انکے مریدوں کے ہاتھ پاؤں کرتے ہیں ان سے زیادہ کام پیر صاحب کی آنکھیں کرتی ہیں۔ اگر ان کے بیان سے یہ مراد لیا جائے کہ کام کرنے سے بندہ بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس حساب سے کسی سرکاری ملازم کو بوڑھا نہیں ہونا چاہیے۔ اس حساب سے ہماری بھی جوانی تا دیر رہے گی کہ ایک جگہ ہم کام کرتے تھے' ایک دن مالک کو کہا ہم آپ کا کام چھوڑ کر اگلے ہفتے جا رہے ہیں تو وہ پریشان ہو گیا۔ بولا میں تو سمجھ رہا تھا آپ اسی ہفتے جا رہے ہیں ہمارے ایک شاعر دوست کی صحت گر گئی وہ سارا دن وہی گلی پھر ولتا رہتا جہاں گری تھی ایک ڈاکٹر نے معاینے کے بعد کہا کہ آپ وقت سے پہلے اس لئے بوڑھے ہوگئے ہیں کہ آپ کوئی سوچنے والا کام کرتے ہیں؟ تو اس نے کہا ڈاکٹر صاحب آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں شاعر ہوں۔ اسی لئے ہمارے ہاں وہ نوجوان شاعر جو ہر مشاعرے کی کاسٹ میں شامل ہوتے ہیں ان کی عمریں پچاس سے ساٹھ سال کے درمیان ہیں۔

صاحب دنیا میں اخبار "وال سٹیٹ" جتنا پڑھا جاتا ہے ہمارے ہاں بھی وال سٹریٹ اتنی

ہی پڑھی جاتی ہے۔ کوئی غیر ملکی ہمارے شہروں کی دیواریں پڑھ لے تو یہی سمجھے کہ اس قوم کا سب سے بڑا مسئلہ سستی کمزوری اور بڑھاپا ہیں کیونکہ دیوار پر لکھا ہوتا ہے 24 گھنٹے میں جوانی واپس' یہ علاج شرطیہ ہوتے ہیں یعنی افاقہ نہ ہو تو بیماری واپس' بیرون ملک تو دیواریں لکھنا ہی ایسا جرم ہے کہ سکاٹ لینڈ میں ایک میئر نے پینٹر کو کہا اس دیوار پر لکھ دو "یہاں اشتہار لکھنے والے کو حوالۂ پولیس کیا جائے گا۔" اور پولیس اس پینٹر کو دیوار پر اشتہار لکھتے پکڑ کر لے گئی لیکن ہمارے ہاں تو دیواریں پڑھ کر لگتا ہے پوری قوم اشتہاری ہے سو ممکن ہے پیر صاحب نے سب کا منہ کرنے کے لیے کہا ہو کہ ایسے کام نہ کرو جو بوڑھا کردیں۔

جوانی تو دراصل جوا۔نی ہے جوئے کے ساتھ نی شاید اس لئے ہے کہ خواتین کی عمر کے تین ادوار یہ ہیں بچپن' جوانی اور جوانی جبکہ مردوں کی زندگی آج کل ان ادوار میں تقسیم کی جاتی ہے۔ بچپن' بیروزگاری' بڑھاپا۔ بابے عبیر ابوذری سے کسی نے کہا سنا ہے آپ کسی بیماری میں مبتلا ہیں۔ کہا ہاں بڑھاپے میں مبتلا ہوں۔ پوچھا آپ جوان ہونا چاہتے ہیں؟ کہا نہیں میں بے روزگار ہونا نہیں چاہتا۔ پچھلے دنوں ایک وزیر نے کہا آئندہ چند سالوں میں کوئی بے رزگار نوجوان نہیں ملے گا۔ ہے بھی سچ جب سے ملازمتوں پر پابندی ہے اس حساب سے تو ایک دو سالوں میں ہی کوئی بے روزگار نوجوان نہ رہے گا' سب بوڑھے ہوچکے ہوں گے۔ ایسے ہی ایک وزیر نے کہہ دیا کہ ایک وقت آئیگا جب پاکستانیوں کو ہوائی جہاز بھی اسی قیمت پر ملیں گے جتنی قیمت عام سوزو کی کار کی ہوگی اس کے ایک دوست نے پوچھا مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ بولا بہت آسان ہے ہم کار کی قیمت جہاز کے برابر کر دیں گے۔

بڑھاپا جوانی کی پیروڈی ہے۔ بندہ چاہتا ہے وہ جوان ہو تو اسے کوئی نہ پوچھے اور جب وہ بوڑھا ہوتو ہر کوئی اس کا پوچھنے والا ہو۔ بوڑھے تین قسم کے ہیں ایک وہ جو جوان ہوئے ہیں۔ دوسرے وہ جوابھی جوان ہوں گے اور تیسرے وہ جو کبھی جوان نہیں ہوئے۔ خواتین کو تو جہنم سے ڈرانا ہوتو یہ کہتے ہیں وہاں آپ بوڑھی کھوسٹ ہوں گی۔

بہرحال یہ حقیقت ہے کہ بوڑھوں کی عمریں جوانوں سے لمبی ہوتی ہیں۔ کوئی نوجوان سو سال تک زندہ نہیں رہ سکتا بوڑھا رہ سکتا ہے۔ ویتنام کی جنگ کے بعد وہاں ایک سروے رپورٹ شائع ہوئی جسکے مطابق جنگ کے بعد وہاں لوگ بوڑھے ہونے بند ہوگئے صرف جوان ہی ہوتے کیونکہ جنگ نے بوڑھے ہونے کے لیے جوان چھوڑے ہی نہ تھے۔ سو ہوسکتا ہے پیر پگاڑا صاحب نے حسب معمول ڈھکے چھپے لفظوں جھاڑو پھرنے کی بات کی ہو اور کہا ہو ہم ایسے کام نہیں کرتے جو بوڑھا کریں بلکہ وہ کام کر رہے ہیں جو بوڑھا ہونے کا موقع نہ دیں گے۔

○○○

- دفع 144

خبر ہے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور نے دو ماہ کے لئے دفعہ 144 کے تحت لاہور میں دیواروں میں گندے اور فحش اشتہارات لکھنے پر پابندی لگا دی ہے۔ اس سے ہمیں تو یہی خبر ملی ہے کہ اس سے پہلے ایسے اشتہاروں پر پابندی نہیں تھی۔ ہمارے ہاں تو کتابیں بھی وہی پابندی سے پڑھی جاتی ہیں جن پر پابندی ہو' سو ممکن ہے کہ یہ پابندی ان اشتہاروں کی ریڈر شپ بڑھانے کے لئے لگائی گئی ہو۔ جہاں تک گندی تحریروں کی بات ہے وہ تو ہم بھی پہچان لیں گے ہماری تحریریں بھی پہلے گندی ہوتی تھیں پھر ہماری ہینڈ رائٹنگ بہتر ہو گئے مگر یہ کیسے پتہ چلے گا فلاں تحریر فحش ہے۔

جارج برنارڈشا نے کہا تھا ہر کتاب میں فحاشی ہوتی ہے۔ صرف ایک کتاب میں یہ نہیں ہوتی وہ ہے ٹیلی فون ڈاکنریکٹری۔ اس حساب سے تو سب سے فحش کتاب ڈکشنری ہوئی کہ ہم نے اس سے زیادہ فحش الفاظ کسی اور کتاب میں آج تک نہیں دیکھے۔ ہم نے اپنے ایک سنسر بورڈ کے رکن دوست سے پوچھا آپ کیسے فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ سین فحش ہے۔ کہا آسان طریقہ ہے جسے دوسرے ارکان دوبارہ چلا کر دیکھنا چاہیں' میں سمجھ جاتا ہوں یا پھر جو فلم دیکھ کر شرم آئے وہ فحش فلم ہوتی ہے ہم نے کہا ہمیں تو ہر پنجابی فلم دیکھ کر شرم آتی ہے۔

رقص کی بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ وہ رقص فحش ہوتا ہے جس میں جب میوزک رکے تو ساتھ سب کچھ نہ رکے۔ ویسے بندے کو چاہیے کہ فحش سین آئے تو آنکھیں بند کرلے اور وہ آنکھیں بند کرنے کے باوجود نظر آ رہا ہو تو پھر کھول لینے میں کوئی حرج نہیں۔

ادیب فحاشی ختم کرنے کے خواب دیکھتے ہیں مگر۔ ۔ ۔ ۔ مگر جلد جاگ جاتے ہیں۔ منٹو تک کو فحاشی ایک آنکھ نہ بھاتی سو وہ فحش تحریریں آنکھیں بند کرکے لکھتے رہے۔ ہم سمجھتے ہیں فحش کتابیں ختم ہونا چاہئیں سو ایسی کتابیں ہم تو ایک نشست میں ختم کر دیتے ہیں۔ مگر ہمیں نہیں پتہ تھا فحاشی کتاب سے نکل کر "نوشتہ دیوار" بن گئی ہے۔ ہمارے ارکان اسمبلی تو "نوشتنہ دیوار" اس لئے نہیں پڑھتے کہ زیادہ تر ان پڑھ ہیں سو ہمیں ہی پڑھنا ہو گا لیکن سنا ہے ان فحش تحریروں کا تعلق اکثر بازاری حکیموں کے اشتہاروں سے ہے۔ اشتہاروں میں کبھی کبھی سنیاسی بابا کی تصویر بھی ہوتی ہے جس پر لکھا ہوتا ہے سنیساسی بابا کا چالیس سالہ تجربہ بابوں کی تصویر دیکھ کر تو یہی لگتا ہے کہ اس مرض میں مبتلا رہنے کا تجربہ ہو گا ان میں خفیہ امراض بھی ہوتے ہیں جو اس قدر خفیہ ہوتے ہیں کہ علاج کرنے والے حکیم کو بھی ان کا پتہ نہیں ہوتا۔

اندھے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو دیکھ نہیں سکتے اور دوسرے وہ جو دیکھتے نہیں ایسے ہی حکیم دو قسم کے ہوتے ہیں ایک سابقہ مریض دوسرے وہ جن کا سابقہ مریضوں سے رہتا ہے جیسے دانشور جتنا بے وقوفوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اتنا بے وقوف ان دانشوروں سے نہیں اٹھاتے۔ ایسے یہ حکیم مریض سے جو استفادہ کرتے ہیں اتنا مریض حکیموں سے نہیں کر پاتے۔ حکیم پھپھڑ انوی نے تو جب دیواروں پر ان کے اشتہار لکھنے والے کابل دیکھا تو کہا جتنے پیسے تم نے میرے اشتہار لکھنے کے لئے ہیں اتنے تو میں خود نہیں کما پاتا تو اشتہار لکھنے والے نے کہا اسی لئے میں نے آپ کا پیشہ چھوڑ کر یہ اپنایا ہے۔ بہرحال ہمیں ان فحش اشتہاروں پر دو ماہ کے لئے پابندی لگنے سے خوشی ہوئی ہے۔ بظاہر اس میں خوشی کا پہلو یہی ہے کہ یہ پابندی صرف دو ماہ کے لئے ہے۔

○○○

"سر" گذشت

کوئی ہم سے پوچھے کہ عوام کے پاس سر چھپانے کو کیا ہے؟ تو ہم یہی کہیں گے "بال"۔
ہر قسم کے حالات میں یہ "بال" بڑھتے چلے گئے یہ "بال" تو محکمہ منصوبہ بندی والوں

سے کم نہ ہوئے جو وبال سے مراد بھی اور بال لیتے ہیں۔ لیکن پچھلے دنوں ایک رسالے میں شائع ہونے والی سروے رپورٹ میں تھا کہ اسمبلیاں ٹوٹنے کے دنوں میں سر کے بال کم ہونے لگتے ہیں۔ اگرچہ یہ واضح نہیں کیا گیا کہ کن سروں کے بال زیادہ گرنے لگتے ہیں تاہم ہماری آنکھوں کے سامنے اپنے کئی لیڈروں کے سر گھوم گئے۔ قیاس ہے کہ ان دنوں وہی سر محفوظ رہتے ہوں گے جو انگریزی والے سر ہیں۔ اس رپورٹ کو پڑھنے کے بعد سے ہم جب بھی صبح کنگھا کرتے ہیں تو ہمیں ایک آدھ اسمبلی ٹوٹتی محسوس ہوتی ہے۔

سر کے بال بڑا بلند مقام رکھتے ہیں ہمارے ہاں تو ایک رشتہ بالوں کے نام سے ہے' ہم زلف۔ آرمینائی ضرب المثل ہے لمبے بالوں والی لڑکی دو لڑکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ بالوں میں بڑا حسن ہے اگرچہ "بڑا" حسن ہمارے ہاں پنجابی اور پشتو فلموں میں ہوتا ہے۔ بالوں سے دل میں بال بھی آجاتا ہے۔ چارلی چپلن سے کسی نے پوچھا کونسی عورتیں زیادہ وفادار ہوتی ہیں۔ سنہرے بالوں والی' بھورے بالوں والی یا کالے بالوں والی۔ تو اس نے کہا جس کے بال سفید ہوچکے ہوتے ہیں۔ سر ڈھانپنے کے لئے بال بہترین لباس ہیں یوں گنجا ہونا برہنگی کے زمرے میں آتا ہے۔ فرانس کا بادشاہ ہنری دہم گنجا تھا وہ ہر روز نئی وگ پہنتا تاکہ روزانہ جو بالوں کی لمبائی میں اضافہ ہوتا ہے وہ نئی وگ میں شامل ہوسکے۔ رات کو وگ اتارتا تو یوں خادم کے حوالے کرتا کہ وہ سر نہ دیکھ سکے۔

ایک مرتبہ خادم نے وگ دیتے ہوئے پردے کو ضرورت سے زیادہ ہٹا دیا جس سے ہنری دہم کا گنجاسر دکھائی دینے لگا تو بادشاہ نے خادم کے بالوں کے نیچے سے سر نکلوا دیا۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے مگر آج کل تو جادوگر بھی سر چڑھ کر بولتا ہے جیسے ڈینٹل سرجن ہنسے بھی تو لوگ اس کا برا نہیں مناتے کہ اس کا تو کام ہی دانت نکالنا ہے۔ ایسے ہی عوام کا کام حکمرانوں کو سر پر بٹھانا ہے۔ کیا پتہ تھا سر پر بیٹھ کر وہ یہ کام کرنے لگیں گے۔ اس سے پہلے حجامت حجام' پولیس والے اور سکول ماسٹر کیا کرتے تھے۔

سر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک سربراہ اور دوسرے سر بے راہ۔ سر سام بھی ایک بیماری ہے جی ہاں سر! سام ہمارے ہاں ایک بیماری ہے۔ ہم سے کوئی بحیثیت ڈاکٹر پوچھے کہ بال گرنے لگیں تو کیا کرنا چاہیے تو ہم یہی کہیں گے بال گر رہے ہوں تو نیچے سے ہٹ جانا چاہیے۔ سنا ہے گنجے خاوندوں کی بیویوں سے زیادہ لڑائیاں ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے لڑائیاں نہ ہوتیں تو وہ گنجے کیسے ہوتے۔ ہمارے ایک دوست کے بال تیزی سے کم ہونے لگے تو اس نے ڈاکٹر سے دوائی لی اور بال کم ہونے کم ہوگئے۔ ہم نے پوچھا ڈاکٹر نے تمہیں کیا دوائی دی تھی۔ کہا بیوی کے غصے پر کنٹرول پانے والی دوائی۔

ہم سمجھتے تھے گنجا ہونا پیدائشی صفت ہے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو گنجا ہوتا ہے جیسے بد سے بدنام برا اس لئے ہوتا ہے کہ بد کو تو لوگ اسی کی اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے جانتے ہیں مگر بد نام تو دوسروں کی صلاحیتوں کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ اس سے قبل بندے کی ٹنڈ اس کی اپنی کرتوتوں کی وجہ سے ہوا کرتی مگراس سروے رپورٹ کے مطابق اب حکمرانوں کی کرتوتوں کی وجہ سے ہوا کرے گی۔ فضا کی آلودگی کی وجہ سے پہلے ہی لوگ گنجے ہو رہے ہیں صرف وہ گنجے نہیں ہورہے جو پہلے ہی ہیں۔ گنجے ہونے کا صرف یہی فائدہ ہوتا ہے کہ بندے کو بال گرنے کا ڈر نہیں رہتا ایک صحافی نے پوچھا جس کا کنگھا صاف اور سر کے بال الجھے نہ ہوں اس شحص کو کیا کہتے ہیں! کہا "گنجا۔"

ویسے یہ ممکن ہے یہ سروے کسی بال گرنے بند کرنے والی دوا ساز کمپنی نے کروایا ہو اوروہ ہمیں سیاسی حالات سے ڈرا کر اپنے غیر سیاسی حالات بہتر کرنا چاہ رہی ہو کیونکہ آج کل اشتہارات کا شعبہ اتنی ترقی کر گیا ہے کہ ایک اشتہار شائع ہوا کہ ایک لکھ

پتی خوبصورت نوجوان کے لئے رشتہ درکار ہے۔ ایسی لڑکی ترجیح دی جائے گی جو اس نوجوان کے تحریر کردہ ناول کی ہیروئن سے مشابہ ہو۔ دو دن کے اندر اندر اس ناول کی تمام کاپیاں بک گئیں۔ لیکن اب تو لگتا ہے بال گرنے بند کرنے کے لئے ایسی دوائیاں مارکیٹ میں آنی چاہئیں جو سکری' خشکی اور آٹھویں ترمیم کا خاتمہ کرتی ہوں کیونکہ اگر اسی رفتار سے اسمبلیاں ٹوٹتی رہیں تو وگوں کے بال بھی گرنے لگیں گے۔ ویسے ہمارے بعض معروف ادیبوں کو دیکھ کر لگتا ہے غلام محمد صاحب نے بھی اسمبلی ان کی آنکھوں کے سامنے توڑی تھی۔ غلام محمد صاحب تو ساتھ سر بھی توڑ دیتے تھے۔ ایک بار قدرت اللہ شہاب صاحب کو اپنے کمرے میں بلایا۔ قدرت اللہ شہاب داخل ہوئے تو فرش پر فائل گر پڑی تھی اسے اٹھانے جھکے تو تڑاخ سے ان کے سر پر ٹائم پیس دے مارا۔ پھر یوں انہیں دیکھتے رہے جیسے نشانے کی داد طلب کر رہے ہوں اور کہا "ٹائم پیس اٹھا کر لاؤ" قدرت اللہ شہاب صاحب نے جب ٹائم پیس واپس پکڑایا تو گورنر جنرل غلام محمد صاحب کو ٹائم پیس شہاب کے سر پر مارنے کا بڑا دکھ ہوا کیونکہ سر سے ٹکرانے کی وجہ سے ٹائم پیس پر بہت بڑا گھومڑا پڑ گیا تھا۔

ہمیں چیزیں توڑنے والے لوگ اچھے نہیں لگتے۔ ہمیں تو سکول میں ریکارڈ توڑنے والے لڑکے کبھی نہ بھائے۔ سکول کا ریکارڈ ٹوٹنے سے بچانے کے لئے ہم نے یہ تجویز دی تھی کہ سکول میں ریکارڈ رکھا ہی نہ جائے۔ ایسے ہی اسمبلی ٹوٹنے سے بچانے کاایک طریقہ تو یہ ہے اسمبلی ہو ہی نہ۔ اگر اسمبلی نہ ہوگی تو وہ جتنی مرضی کوشش کر لیں اسے توڑ نہ سکیں گے لیکن ایک دوست نے بتایا ہے کہ اگر اسی رفتار سے اسمبلیاں توڑی گئیں تو سر کے بال بھی گرنے بند ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے سر پر بال رہیں گے تو گریں گے۔

• زیبا اور نازیبا

اگرچہ ہمارا فلموں سے کبھی تعلق نہیں رہا' پھر بھی ہم جانتے ہیں جیسے کالجوں میں دو قسم کے شاگرد پائے جاتے ہیں۔ شاگرد رشید اور شاگرد شیخ رشید۔ ایسے ہی الفاظ بھی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک زیبا اور دوسرے نا زیبا۔ دنیا کے وہ ذخائر جہاں سے زیادہ نازیبا الفاظ ملتے ہیں وہ دماغ' دھن اور ڈکشنری ہیں' جبکہ زیبا الفاظ کے بارے میں کالعدم عالمی اردو کانفرنس کے کنوینر اداکار محمد علی ہم سے بہتر بتا سکتے ہیں۔ تاہم نواب زادہ نصر اللہ کا یہ بیان پڑھ کر میں نے پی ڈی اے کے جلسے کے بارے میں "شادی بیاہ" جیسے الفاظ استعمال نہیں کئے بلکہ میں نے ساری زندگی ایسے الفاظ استعمال نہیں کئے۔ یہ تو قرین قیاس ہے کہ انہوں نے اپنی شادی پر یہ الفاظ استعمال نہ کئے ہوں' اسے ازدواجی اتحاد کہہ کر پکارا ہو گا لیکن ساری زندگی "ایسے" الفاظ استعمال نہ کرنے کا انہوں نے یوں کہا ہے کہ ہمیں لگا شادی بیاہ کوئی نازیبا لفظ ہے۔؟ ہمارے ہاں لڑکا لڑکی اپنے منہ سے شادی بیاہ کا لفظ نکالیں تو بزرگ آنکھیں' چھاتی اور چھڑی نکال کر یوں پیچھے پڑ جاتے ہیں جیسے انہوں نے کوئی فحش لفظ کہہ دیا ہو گا۔ صاحب ڈاکٹر ہونے کے ناطے سے ہم تو یہ جانتے ہیں دنیا میں صرف ایک لفظ فحش ہے جسے ہر کسی نے فحش کہا وہ لفظ ہے "فحش" انگریزی میں شادی کو Marri Age کہتے ہیں۔ اگرچہ انگریزوں نے شادی کے ساتھ ایج یعنی عمر لگا دی ہے۔ تاہم ایک صحافی نے الزبتھ ٹیلر سے پوچھا بندے کو آخری شادی کس عمر میں کرنا چاہیے۔ اس نے کہا عمر کا تو پتہ نہیں البتہ آخری شادی بندے کو آخر میں کرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے نواب زادہ صاحب کو یہ لفظ اس لئے پسند ہوں کہ اس میں بندے کو تین بار قبول ہے قبول ہے' قبول ہے کہنا پڑتا ہے۔ یا ممکن ہے وہ شادی کو جمہوری عمل نہ سمجھتے ہوں۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں اپنی طالب عملی کے دوران ہم نے ایک سروے کیا تھا' جس میں پوچھا گیا تھا کہ پاکستان کے سب سے بڑے ڈکٹیٹر

کا نام لکھیں۔ جواب میں شادی شدہ خواتین میں سے کچھ نے اپنے خاوندوں کے نام لکھ دیئے تھے۔ اگرچہ امریکہ میں اتنی جمہوریت ہے کہ وہاں گھروں میں بھی جمہوری نظام چلتا ہے۔ روز ویلٹ کے دور میں سینٹر لانگ ایک بار گھر آیا تو اس کی بیوی اپنے "بوائے فرینڈ" کے ساتھ "فرینڈلی" ہو رہی تھی۔ بوائے فرینڈ کھسکنے لگا تو بیوی بولی میرے خاوند جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کمرے میں ہم دو ہیں اور وہ ایک' سو انہیں اکثریت کی بات ماننا پڑے گی۔ خواجہ معین الدین صاحب نے تو جمہوریت کی کمال تعریف کی ہے۔ طلبہ سے پوچھا ہمایوں اور اکبر میں باپ کون تھا؟ اگرچہ دونوں ہی باپ تھے اپنے اپنے بچوں کے۔ بہرحال دس لڑکوں میں تین نے کہا ہمایوں اکبر کا باپ تھا۔ بعد میں تاریخ نے بھی یہی ثابت کیا اور اکبر ہمایوں کا بھی باپ نکلا۔ جمہوریت اور مارشل لاء میں وہی فرق ہے جو کنوارگی اور شادگی میں ہے۔ نواب زادہ صاحب کی طرح ہم خود مارشل لاء کی مار سے شل ہیں۔ پیر پگاڑا تو ہیں نہیں جو مارشل لاء بھی یوں کہتے ہیں جیسے کہہ رہے ہوں مارشل لا۔

ہم اس سب کے باوجود شادی بیاہ کو نازیبا الفاظ میں شامل نہیں کر سکتے۔ جس کی ایک وجہ تو یہ ہے یہ لفظ نہیں پورا جملہ بمع جملہ حقوق ہے۔ اگرچہ یہ جملہ دنیا میں سب سے کم مرتبہ جن کے منہ سے نکلا وہ شادی شدہ لوگ ہیں۔ ویسے بھی عورتیں یہ بتانے کے لئے کہ وہ شادی شدہ ہیں انگوٹھیاں اور زیوارت پہنتی ہیں۔ جب کہ مرد اس مقصد کے لیے پچھلے سال کے کپڑے پہنتے ہیں۔ ہمارے ہاں محبت کا انجام شادی پر ہوتا ہے۔ گویا شادی نہ ہوتی تو محبت انجام تک نہ پہنچتی' جاری رہتی۔ ایسے ہی جمہوریت کی کوششوں کا انجام مارشل لاء پر ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ شادیوں کی ناکامیوں کی وجہ تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ زیادہ تر ان لوگوں کی شادیاں ہو رہی ہیں جنہیں پہلے شادی کا تجربہ نہیں ہوتا۔ حکومت کی ناکامیوں کی کیا وجہ ہے' اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ جہاں تک نواب زادہ صاحب کے شادی بیاہ کے لفظ استعمال نہ کرنے کی وجہ کا تعلق ہے تو یہ بھی ہوسکتا

ہے کہ شادی کا مطلب خوشی ہوتا ہے اور نواب زادہ صاحب اگرچہ دیکھنے میں ایسے لگتے ہیں کہ بندہ سوچتا ہے ابھی ہنسائیں گے۔ ہاتھ میں چھڑی' پاجامہ پہننے اور عملی جامہ پہنانے کا شوق' بٹوے' قمیض اور منہ میں پان' سر پر ترکوں کی ترک کی ہوئی ٹوپی' لیکن بات سنجیدہ کرتے ہیں۔ جیسے پگاڑہ صاحب سنجیدہ بات کردیں تو لوگ ان کی عیادت کو آنے لگتے ہیں۔ ایسے ہی نواب صاحب کے منہ سے کوئی خوشی کی خبر سن لے وہ سب سے پہلے ماہر امراض کان ناک گلا سے کان چیک کرائے گا۔ سو ہمیں یقین ہے کہ شادی بیاہ کے الفاظ نوابزادہ صاحب نے کہے ہی نہیں۔ یہ مصطفیٰ کھر صاحب کا بیان ہے جو غلطی سے نواب صاحب کے نام سے چھپ گیا۔

○○○

• 4 پائی

مغربی ڈاکٹروں نے تحقیق و تفتیش کے بعد اعلان کردیا ہے کہ اگر آپ روزانہ کرسی ہلائیں تو ہر قسم کی بیماریوں سے محفوظ رہیں گے۔ میڈیکل کالج ورجینیا نے اس تحقیق کی تصدیق کی ہے اگرچہ یہ کوئی نئی دریافت نہیں۔ نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب کی صحت کا راز یہی ہے تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ کرسی کے ہلتے رہنے سے بیٹھنے والے کا وزن کم ہوتا ہے۔ ہمیں امید تھی کہ اب سلمنگ سنٹرز بھی یہی طریقہ استعمال کرنے لگیں گے۔ قیام پاکستان کے بعد سے یہ طریقہ ہمارے برسر اقتدار حلقوں میں تو پہلے ہی رائج رہا سابق وزیر اعظم بلکہ حسب سابق وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین اتنا کھاتے کہ لوگ انہیں خواجہ ہاضم الدین کہتے۔ ان کے دور میں جب خوراک کا قحط پڑا تو بیرونی ممالک کے صحافی اپنے اخباروں کو اس قحط کی جو وجوہات بھجواتے ان میں خواجہ صاحب کی تصویریں بھی ہوتیں وہ تو خواجہ صاحب کا تلفظ بھی یوں کرتے "کھا جا صاحب" کسی نے کہا آپ گھڑ سواری کریں تو آپ کا وزن کم ہوجائے گا اور واقعی ایک ماہ بعد وزن آدھا رہ گیا جی ہاں گھوڑے کا وزن آدھا رہ گیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ خواجہ صاحب کا وزن اس دن کم ہوا جب غلام محمد صاحب نے ان کی کرسی ہلائی وہ بھی یوں کہ خواجہ صاحب نے بعد میں کبھی لنگڑے آم تک کو منہ نہ لگایا۔ سکندر مرزا صاحب کی غیرت ناہید کا وزن بڑھا تو انہیں نے ہر جتن کیا۔ بیوی کے یوں آگے پیچھے پھرتے کہ خاوند کم اور ہمسایہ زیادہ لگتے مگر خاتون اول ناہید خانم کا وزن بھی صدر ایوب صاحب کے کرسی ہلانے سے ہی کم ہوا۔ جن دنوں انگلینڈ میں ضبط تولید کی گولیاں استعمال کرنے کی مہم زوروں پر تھی تو ایک صاحب ٹرین میں دس چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے کسی نے حیرانی سے پوچھا یہ سب آپ کے ہیں؟ کہا نہیں میں ضبط تولید

کی گولیاں بیچتا ہوں یہ میرے گاہکوں کی شکایتیں ہیں۔ سو ہماری قیام پاکستان سے اب
تک کی تاریخ دراصل کرسی کی ہی شکایتوں پر مبنی ہے۔ کرسی نے وہ کیا کہ ہم جیسے
تو سن کر ہی آیت الکرسی پڑھنے لگتے ہیں۔ ہمیں کرسی کبھی بھی اچھی نہیں لگی ہم
پاکستانیوں کو وہ فرنیچر بھاتا ہی نہیں جس پر ہم لیٹ نہ سکیں کیونکہ لیٹ جانا تو ہماری
عادت ہے' ہمارے وزراء تو بیرون ملک تقریبات میں بھی اکثر لیٹ جاتے ہیں۔ سچ پوچھیں
تو ہمیں کرسی چارپائی کے مقابلے میں چار پایہ لگتی ہے' یہی نہیں اس پر بیٹھتے ہی بندے
میں ایسی عادات بھی آجاتی ہیں۔ کہتے ہیں کرسی وہ چوپایہ ہے جس کے بازو بھی ہوتے
ہیں' ہوسکتا ہے آپ کہیں کہ چوپایہ تو وہ چار ٹانگوں والا کہلاتا ہے جو چلتا ہے تو صاحب
ہم نے تو ان سے زیادہ اپنے ہاں کرسیاں ہی چلتی دیکھی ہیں۔ پھر بقول اخلاق احمد آپ
کرسی پر اردو میں نہیں بیٹھ سکتے' پنجابی میں بیٹھنے کی کوشش کریں تو ساتھ کرسی بھی
بیٹھ جاتی ہے۔ مغرب میں ہر چیز بجلی سے چلنے لگی تو بجلی والی کرسیاں بھی آگئیں مگر
چارپائی کو ایک پائی کا فرق نہ پڑا' ہم تو چاہتے ہیں کہ ملک میں کرسی کی بجائے چارپائی
کو رواج دینا چاہیے کیونکہ کرسی پر تو صرف ایک بندہ بیٹھ سکتا ہے جبکہ ہم نے چارپائی
کے ہوتے ہوئے کسی کو کھڑے نہیں دیکھا اب کچھ حالات سے لگ رہا تھا کہ چارپائی
بچھنے والی ہے مگر اہل مغرب چاہتے ہیں ہم روز کرسی ہی ہلانے میں لگے رہیں۔ سوانہیں
نے اب اس کام کے طبی فائدے بھی گنوانے شروع کردیئے ہیں۔

○○○

- **خوشامدید**

مائیکل جیکسن نے جب پہلی بار بک کہا تو ہم نے یہی سمجھا کسی نے انہیں گانے کے لیے بک کیا ہو گا مگر اب پتہ چلا کہ نہ صرف خود بک ہیں جس کی پروف ریڈنگ پلاسٹک سرجن ابھی تک کررے ہیں بلکہ ان کی شاعری کی بک "ڈانسنگ دا ڈریم" بھی چھپ گئی ہے۔ مائیکل جیکسن ان لوگوں میں سے ہیں بندہ ان کے والد کانام پوچھے تو کہتے ہیں "سیلف میڈ ہوں" برسوں سے امریکی ان کے بالغ ہونے کا انتظار کررہے تھے' مگر ہمیں پتہ تھا جو چالیس سال تک بالغ نہ ہو سکے پھر عمر بھر اس کے بالغ ہونے کا خدشہ نہیں رہتا۔ ویسے بھی کہتے ہیں بڑا شاعر بننے کے لیے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ بندہ چھوٹا بچہ بنے۔ مائیکل ان شرائط پر پورا اترتا بلکہ اتراتا ہے۔ اس کا حلیہ دیکھ کر تو ہمیں پہلے ہی اس پر شاعر ہونے کا شک تھا۔ جب اداکارہ انجمن نے شاعری شروع کی تو شاعروں نے اعتراض کیا کہ وہ "وزن" کا خیال نہیں رکھتیں۔ اب انہوں نے شاعری چھوڑ دی ہے' پھر بھی شاعر یہی کہتے ہیں۔ مگر انگریزی شاعری میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ ویسے بھی مائیکل کی صحت ایسی ہے کہ کسی کو ان کی تصویر بنانے کہ کہا جائے تو وہ کاغذ پر کالی پنسل سے لمبا الف کھینچ دیتا ہے۔ اگرچہ الف ہونا شاعری سے زیادہ شو بزنس میں چلتا ہے۔ تاہم کسی شاعر نے ان کی شاعری پر اعتراض نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ شیشے کے گھر میں رہنے والے دوسروں پر پتھر نہیں پھینکتے۔ حالانکہ ہمارے خیال میں تو شیشے کے گھر میں رہنے والوں کی اصل پریشانی یہ نہیں بلکہ غسل کرنا ہے۔ بہرحال ہم ادب میں مائیکل جیکسن کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے شاعر دوست آخر مراد آبادی تو کسی امریکی کو خوش آمدید بھی یوں کہتا ہے جیسے خوشامدید کہہ رہا ہو۔ البتہ وہ امریکہ سے ناراض ہو تو پھر اسے بائے امریکہ نہیں کہتا "بائی" امریکہ کہتا ہے۔ ویسے بھی آج کل جس نے کبھی خوشامد نہیں سنی

اس سے ہمیں ہمدردی ہے۔ ظاہر ہے بہروں سے ہمدردی ہی ہوسکتی ہے۔
ہم یہ تو نہیں کہتے کہ مائیکل جیکسن بڑے قیمتی شاعر ہیں کیونکہ ایک بار ہم نے لکھ

دیا فلاں ہماری قیمتی شاعرہ ہیں تو آخر مراد آبادی کئی دن تک ہم سے قیمت پوچھتے رہے۔
ویسے بھی ہمارے ہاں تو بندہ اس وقت تک شاعر نہیں بن سکتا جب تک اس کے پاس
ذاتی تخلص نہ ہو۔ ہم نے ایک بار اپنے دوست کو کہا کہ آپ اپنا تخلص فراموش رکھ
لیں تو وہ ناراض ہوگیا۔ حالانکہ قصور ان کے والدین کا تھا جنھوں نے اس کا نام احسان
رکھا تھا۔ سو اس حساب سے مائیکل جیکسن شاعر بننے سے بچا ہوا ہے۔ کہتے ہیں اس
نے اپنی شاعری کی کتاب پر کئی برس کام کیا! اسی لئے اس کتاب میں کام ہی کام
ہے شاعری نہیں۔ وہ تو پیاس کی بات بھی یوں کرتا ہے کہ بندہ پانی پانی ہوجاتا ہے۔
اس کی نظمیں سمجھنے کے لیے اسے سمجھنا ضروری ہے اور مائیکل کو سمجھنا بڑی نا سمجھی
ہے۔ ایک بار رابرٹ براؤننگ نے اپنی تجریدی نظم "سورڈیلو" لندن پوئٹری سوسائٹی میں
پڑھ کر سنائی۔ جب ان سے نظم کا مفہوم بتانے کو کہا گیا تو رابرٹ براؤننگ نے وہ
نظم دوسری مرتبہ پڑھ دی اور کہا کہ جب میں نے اسے لکھا تھا تو خود اور خدا کے
علاوہ اس کا مطلب کوئی نہ جانتا تھا' لیکن اب صرف خدا ہی جانتا ہے۔ الزبتھ ٹیلر نے
اس کتاب کا دیباچہ لکھا ہے۔ ہوسکتا ہے آپ کہیں کہ الزبتھ ٹیلر نے خود شاعری کیوں
نہیں کی۔ کبھی کبھی بندے کو ایک آدھ گھنٹہ فارغ مل ہی جاتا ہے لیکن الزبتھ کو
اتنا فارغ وقت ملے تو شادی کرلیتی ہیں۔ ویسے شادی اور شاعری میں یہی قدر مشترک ہے
کہ دونوں کاموں کے لئے کسی کوالیفکیشن کی ضرورت نہیں۔ یہ سچ ہے کہ برا آدمی
کبھی اچھا شاعر نہیں بن سکتا البتہ براشاعر اچھا آدمی بن سکتا ہے اگر وہ شاعری چھوڑ دے۔

صاحب دنیا میں سب سے بوگس کتاب وہ ہوتی ہے جسے کوئی ادھار لے اور پھر اسے
واپس بھی کردے اور اس سے بوگس کتاب وہ ہوتی ہے جسے کوئی ادھار ہی نہ مانگے۔
ویسے ہم تو کسی کو اپنی کتاب کا نسخہ پیش بھی کر دیں تو وہ فون کرکے یہی پوچھتا

ہے ڈاکٹر صاحب نسخے کی ترکیب استعمال کیا ہے؟ ظفر اقبال صاحب تو کہتے ہیں میں سونگھ کر بتا دیتا ہوں کتاب کیسی ہے؟ چاہے کتاب شکایات کے متعلق نہ بھی ہو لیکن ہم کتاب کے بارے میں اس وقت تک ہمیشہ اچھی رائے کا اظہار کرتے ہیں جب تک اسے پڑھ نہ لیں۔ سو مائیکل کی شاعری کی کتاب بہت اچھی ہے ویسے بھی ہم شاعری کی کتاب پڑھ کر زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ شاعری کی کتاب ہے۔ تاہم الزبتھ ٹیلر نے کہا ہے اس کتاب میں ایک روشنی ہے۔ تو صاحب روشنی تو ہمارے ہاں چھپنے والی شاعری کی کتابوں میں بھی ہوتی ہے مگر اس کے لئے کتاب کو ماچس دکھانا پڑتی ہے۔

○○○

سیاسی گداگر

صاحب! گداگری میں ہمیں تو اس کے علاوہ کوئی خوبی نظر نہیں آتی کہ یہ واحد پیشہ ہے جس میں آپ کسی تعارف کے بغیر کسی بھی راہ چلتی خاتون کو کھڑا کرکے اس سے بات کر سکتے ہیں' لیکن نیویارک کی عدالت کو پتہ نہیں اس میں کیا نظر آیا ہے کہ اس نے آئین کی پہلی ترمیم کے تحت اسے آزادی اظہار قرار دے دیا ہے بلکہ یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر ووٹ مانگنے میں کوئی قباحت نہیں تو پھر بھیک مانگنے میں کیوں ہو؟

ہم تو بھیک مانگنے کو ایک سماجی برائی سمجھتے ہیں' بھکاریوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اس کا ثبوت ہیں' اگر یہ نیکی کا کام ہوتا تو دن بدن بھیک مانگنے والوں کی تعداد کم نہ ہو جاتی۔ مانگنا دنیا کا دوسرا قدیم ترین پیشہ ہے۔ پہلے قدیم ترین پیشے کے "اصرار و رموز" جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کا ووٹ مانگنے والوں سے کیا خوبصورت رشتہ ہے۔ یاد رہے خوبصورت رشتہ وہ رشتہ ہوتا ہے جو کسی خوبصورت سے ہو لیکن عدالت نے بھیک مانگنے اور ووٹ مانگنے والوں کا اکٹھا ذکر کیا ہے جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ فی زمانہ انہی دو طبقوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آپ مجھے جتنے سیاستدان دکھائیں گے میں آپ کو اتنے بھکاری دکھا دوں گا۔ کہتے ہیں مردہ سیاستدان زندہ بھکاری سے بہتر ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں تو مردہ سیاستدان زندہ سیاستدان سے بھی بہتر اور قابل اعتماد ہوتا ہے۔ کسی نے پوچھا "ایک سیاستدان سے زیادہ نا قابل اعتبار کوئی ہے؟" کہا "ہاں ہے۔ دو سیاستدان" ہمیں بھکاری پسند نہیں ہیں جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بھکاری "پسند" کرنے کے لیے ہوتے ہی نہیں۔ وہ تو بھیک مانگنے کے لیے ہوتے ہیں؟ آپ کو کسی مرد یا عورت کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنا ہو تو یہ نہ دیکھیں اس کے پاس کیا ہے یہ دیکھیں' وہ مانگتا ہے؟ ان انشاء لکھتے ہیں' ایک مولانا صاحب نماز کے بعد دعا مانگ رہے تھے "یا اللہ! مجھے ایمان

دے‘ مجھے ہدایت دے“ پاس ہی ایک بندہ دعا مانگ رہا تھا ”یا اللہ! مجھے دولت دے‘ مجھے روپے دے“ مولانا صاحب نے ڈانٹ کر کہا ”تو یہ کیا مانگ رہا ہے‘ خدا سے مانگنا ہی ہے تو یہ مانگ کہ مجھے ایمان دے‘ مجھے ہدایت دے“ تو روپے پیسے مانگ رہا ہے“ تو وہ بولا ”بندہ وہی مانگتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتا“ ہمارے ہاں بھیک یوں مانگتے ہیں جیسے اپنا حق مانگ رہے ہوں۔ اس پر ہمیں اعتراض نہیں‘ اعتراض اس پر ہے کہ حق یوں مانگتے ہیں جیسے بھیک مانگ رہے ہوں۔ شہروں میں تو یتیموں کو صبح سویرے ہی ان کے والدین بھیک مانگنے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ بھکاری اور رشتہ داری میں یہ فرق ہوتا ہے کہ بھکاری یہ تو نہیں کہتا کہ آپ کے پاس کچھ نہیں تو کسی سے ادھار لے کر دے دیں۔

بینکرز کی ڈکشنری میں جو شخص پانچ دس روپے مانگے‘ وہ بھکاری اور جو پانچ دس کروڑ مانگے‘ وہ زرداری۔ سیاستدان غریبوں کو یہ کہہ کر کہ تمہیں امیروں سے بچائیں گے‘ ووٹ لیتے ہیں اور امیروں کو یہ کہہ کے کہ تمہیں غریبوں سے بچائیں گے‘ پیسے لیتے ہیں‘ کہتے ہیں کولمبس جب سفر پر نکلا تھا تو اس کے پلے کچھ نہ تھا‘ لوگ اس کے ساتھ تھے مگر کسی کو پتہ نہ تھا وہ انہیں کدھر لے جارہا ہے‘ رقم وہ لوگوں سے مانگ کر نکلا تھا‘ آج ایسے کولمبس کو انتخابی امیدوار کہتے ہیں‘ صاحب! الیکشن پڑھائی اور ایک میں کامیابی کے لیے فل بیک ضروری ہے۔ ہمارے ہاں رہنما مہنگائی کی طرح بڑھ رہے ہیں‘ ایک پشتو حکایت ہے: ایک بزرگ کسی گاؤں سے گزرے‘ گاؤں والوں نے اچھا سلوک کیاتو انہوں نے دعا کی اللہ تمہارے ہاں ایک رہنما پیدا کردے۔ اگلے گاؤں والوں نے برا سلوک کیا تو بددعا دی کہ خدا آپ کے گھر گھر میں رہنما پیدا کردے۔ عدالت نے ہمارے ہی نہیں‘ دنیا بھر کے سیاستدان کو بھکاریوں کے ساتھ ملادیا ہے جس پر احتجاج ہونا چاہیے لیکن کس کی طرف سے ہونا چاہیے‘ اس کا ہمیں پکا پتہ نہیں۔ معاملہ ایسا ہی نہ ہو جو کرنل محمد خان صاحب لکھتے ہیں کہ جہاز میں کسی ایئر ہوسٹس کو چڑیل کہہ دیا تو ایک صاحب نے احتجاج کیا کہ یہ ایئر ہوسٹس کو چڑیل کس نے کہا تو دوسرے

صاحب احتجاجاً چلائے "یہ چڑیل کو ایئر ہوسٹس کس نے کہا"

○○○

• حکمت بے عملی

ہمارے ایک مزاح نگار دوست نے کہا ہے کہ حکومت کے لیے بچت کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ملک کو ڈیوٹی فری بنائے یعنی سرکاری ملازمین کو ڈیوٹی کرنے سے فری قرار دے دیا جائے۔ یوں اگر ایک دن تمام پولیس والے ڈیوٹی پر نہ جائیں تو تقریباً دو کروڑ روپے کی بچت ہو گی۔ ایسے ہی ایک دن کے لیے کوئی وزیر نہ ہو تب بھی اتنے روپے حکومت بچا سکے گی' پچھلی حکومتوں کے دور میں تو وزیروں کی تعداد اتنی بڑھ گئی تھی کہ جیسے عرب میں اونٹ کے اتنے نام ہیں کہ وہاں کے استاد اپنے نالائق شاگروں کو پاس ہونے کا یہ گر بتاتے ہیں جس بے ڈھنگے لفظ کا مطلب نہ آئے اس کا مطلب اونٹ کہہ دینا۔ ایسے ہی ان دنوں انتظامی افسروں نے اپنے ماتحتوں کو کہہ رکھا تھا' آنے والے جس شخص کو تمہیں سمجھ نہ آئے' سمجھ لینا وہ وزیر ہے لیکن ہم نے وزیروں کی اس تعداد پر اعتراض نہ کیا کیونکہ ہمارے ملک میں ہر ملازمت کے لیے باقاعدہ تعلیمی اسناد دکھانا پڑتی ہیں' یہاں تک کہ ہمارے ہاں تو بیروزگار ہونے کے لیے بھی پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے۔ لیکن وزیر مشیر بننے کے لیے کسی تعلیمی سر ٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ہوتی اور اسی فیصد تک ان پڑھ آبادی والے ملک میں ایسی پوسٹیں زیادہ ہی ہونا چاہئیں تھی تاکہ ایسے لوگوں کو بھی کوئی سرکاری نوکری مل سکے لیکن لگتا ہے نگران حکومت نے اس مزاح نگار کو سنجیدگی سے لے لیا ہے اور وزارتیں کم کرنا شروع کردی ہیں۔ یوں ریلوے کی وزارت مواصلات میں ضم کردیا ہے۔ وزارت مواصلات کے بارے میں ہم اتنا ہی جانتے ہیں یہ شروع "موا" اور ختم "لات" پر ہوتی ہے لیکن ریل وے تو اب فیل وے ہے۔ مزاح نگار محمد خالد اختر صاحب نے کئی برس پہلے لکھ دیا تھا کہ ٹرین کا سفر میرے لیے تکلیف دہ ہو گیا ہے کیونکہ عمر ساٹھ ستر

سال سے اوپر ہوگئی ہے۔ جی ہاں' ٹرین کی عمر' ٹرین کی عمر جب ابھی اس کے اپنے آپ جتنی بھی دراز نہ تھی تب گاندھی جی نے شکایت کی تھی کہ میں جس سیٹ پر بیٹھا تھا وہ آرام دہ نہ تھی۔ کسی نے کہا آپ کسی سے سیٹ بدل لیتے' کہا "کس سے بدل لیتا؟ اس ڈبے میں تو اور کوئی تھا ہی نہیں"

آج کل صرف ٹرین کی چال میں میانہ روی پائی جاتی ہے۔ ٹرینیں اتنی ست ہیں جس سے یہ یقین ہوجاتا ہے کہ مشینوں پر بھی انسانوں کی صحبت کا اثر ہوتا ہے' نارووال جنکشن پر ایک بار ہم نے ایک انجن ڈرائیور سے کہا "تم تیز نہیں چل سکے" کہا "تیز تو چل سکتا ہوں' مگر مجھے انجن کے ساتھ رہنا ہوتا ہے" ٹرین جتنی مرضی تیز چل لے وہ انجن سے آگے نہیں جا سکتی جیسے پاؤں جتنے بھی تیز چل لیں وہ سر سے آگے نہیں جاسکتے۔ امریکہ نے ایسی گاڑیاں بنائیں جو چاند پر پہنچ گئیں اب وہ اپنی تیز رفتار گاڑیوں پر دوسرے سیاروں اور خدا تک پہنچنا چاہ رہا ہے' مگر اس معاملے میں ہماری ست گاڑیاں اتنی تیز ہیں کہ یہ بندے کو خد کے پاس پہنچا بھی دیتی ہیں۔ پچھلی بار ٹرین کا حادثہ ہوا تو ڈرائیور نے کہا ٹرین پل سے ٹکرا گئی تو میرا کیا قصور؟ پل میری طرف ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے آرہا تھا اور آ کر گاڑی سے ٹکرا گیا۔ ٹرین مسافروں کے علاوہ وزنی سامان کے انتقال کے کام بھی آتی ہے۔ اگرچہ مسافر کا سب سے وزنی سامان اسکا خالی پرس ہی ہوتا ہے۔

ریلوے ٹائم ٹیبل اس لیے ہوتا ہے تاکہ بندے کہ پتہ چل سکے کہ ٹرین کتنی لیٹ آئی۔ ہوسکتا ہے آپ کہیں کہ اگر ٹرین نے لیٹ ہی آنا ہوتا ہے تو پھر ٹائم ٹیبل کا کیا فائدہ؟ اس حساب سے تو آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر ٹرین نے وقت پر آنا ہے تو پھر ویٹنگ روم کا کیا فائدہ؟ بہرحال ایک بار ہماری آنکھوں کے سامنے یہ ہوا کہ ٹرین نے صبح سات بجے آنا تھا تو وہ سات بجے سٹیشن پر آکے رکی' میرے ساتھ والا دوست کہہ رہا تھا "ٹرین سات بجنے سے دو منٹ پہلے آکے رکی تم شام کے جھٹپٹے کی وجہ سے صیحیح وقت نہیں دیکھ سکے" ریلوے وزارت ختم کرنے کی وجہ یہ بتائی جاتی

ہے کہ ریلوے مسلسل خسارے میں چل رہی ہے۔ ویسے ہر مسئلے کے کئی حل ہوتے ہیں' اگرچہ کئی حل ہونا بھی ایک مسئلہ ہے۔ جیسے ہم نے ٹی وی کے ایک ماہر سے پوچھا کہ آپ نے لوگوں کو ٹی وی کے بور پروگراموں سے بچانے کے لیے کیا کیا؟ کہا ہم نے ٹی وی سیٹ کے ساتھ ایک آف کا بٹن لگایا ہے۔ ایسے ہی ریلوے کا کوئی فائدہ مند حل سوچا جانا چاہیے۔ جیسے یوسفی کے کردار صبغے نے سوچا' وہ نئی کتابیں خرید کر اپنی دکان میں لگاتے۔ اسی دن ان پر ملنے والے چالیس فیصد منافع کا حساب لگا کر خرچ کرڈالتے۔ کتابیں سال بھر تک دکان میں بھری رہتیں تو سیل میں ان کو پچاس فیصد رعایت پر فروخت کر دیتے۔ اس طرح اپنے حساب کی رو سے ہر کتاب پر نوے فیصد ناجائز نقصان اٹھاتے۔ انہوں نے اس نقصان سے بچنے کا ایک فارمولا نکالا وہ تھا کہ اب کتابیں یکسر فروخت ہی نہیں کریں گے اور اپنی اس حکمت بے عملی سے نوے فیصد نقصان سے صاف بچ جائیں گے اور یہ منافع نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسے یہ فارمولے سے ریلوے بھی سالانہ منافع کما سکتا ہے ورنہ تو اس دور میں ریلوے کی ترقی کا کوئی چانس نہیں جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ٹرین صراط مستقیم پر چلتی ہے۔

○○○

• خالہ ملتے

برطانیہ کی پارلیمنٹ میں چونکہ بہت چوہے آگئے ہیں اس لیے ہر رکن پارلیمنٹ سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے ساتھ بلی لائے۔ گویا اب وہ بلیاں گن کر اندازہ لگایا کریں گے کہ کتنے رکن پارلیمنٹ حاضر ہیں۔ اگر ہم کہتے کہ برطانیہ کا ایوان خاص چوہوں سے بھرا ہے تو وہ ناراض ہوجاتے جیسے برطانیہ کے مشہور طنز نگار شریڈن نے جو پارلیمنٹ کا ممبر بھی تھا ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے کہہ دیا "اس ایوان میں آدھے ممبر گدھے ہیں" پارلیمنٹ کے ممبران نے اس سے ان الفاظ پر سخت احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ یہ الفاظ غیر مشروط طور پر واپس لیں۔ چنانچہ شریڈن اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا "میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں' ایوان کے آدھے ممبر گدھے نہیں ہیں۔"

صاحب! جانوروں کو اسمبلی میں آنے سے روکنا چاہیے جب بھی الیکشن ہوئے ہیں ہم سب کو یہی احتیاط کرنے کو کہتے ہیں ہم خود تو اس قدر احتیاط کرتے ہیں کہ محتاط رہنے سے بھی احتیاط برتتے ہیں۔ کسی نے کہا گاڑی بیک کرتے وقت شیشہ ضرور دیکھ لیا کرو ایکسیڈنٹ نہیں ہوگا حالانکہ ہمارا ایکسیڈنٹ ہوا ہی آئینہ دیکھنے کی وجہ سے۔ اب تو ہم آئینہ دیکھ کر ہی گھر سے نکلتے ہیں۔ بہرحال انگریزوں کی جانوروں سے محبت کا تو یہ عالم ہے کہ وہ جس سے بے لوث محبت کریں اسے شک ہونے لگتا ہے کہ یہ مجھے جانور سمجھ رہا ہے۔ یقین نہیں آتا وہ چوہوں کے اتنے خلاف کیسے ہوگئے۔ حالانکہ بہت بڑا چوہا بھی بڑا چوہا ساہی ہوتا ہے ان کی ایک رکن پارلیمنٹ نے تو کہا ہے کہ سیشن کے دوران چوہوں کے دوڑنے کی وجہ سے میں بہت ڈسٹرب ہوتی ہوں۔ میری تو ذرا سے کھٹکے سے آنکھ کھل جاتی ہے۔ سپیکر نے کہہ دیا کہ بلیوں کے بغیر گزارا نہیں۔ اگر وہ معراج خالد جیسے ہوتے تو گزارا کرلیتے۔ معراج خالد ہر قسم کے حالات

میں گزارا کرلیتے ہیں اور شکایت نہیں کرتے۔ ہمیں ان سے یہی شکایت ہے۔ ہمیں لگتا ہے برطانیہ کی اسمبلی بہت چھوٹی ہے جہاں چوہا راج ہے ورنہ ہماری اسمبلی میں تو چوہوں کی بجائے گھوڑے آجاتے ہیں اور ہمیں انہیں روکنے کے لیے باقاعدہ قانون بنانا پڑا۔ پاکستان ہوتا تو اسمبلی سے چوہوں کو نکالنے کے لیے اسمبلی توڑ دی جاتی یا ان موصوفوں کو وزیر بنا دیا جاتا پھر وہ کبھی اسمبلی کی کاروائی کے دوران نظر نہ آتے۔

ہمارے ہاں جو مرد کمزور ہو اسے چوہا کہتے ہیں مگر چوہا کمزور نہ بھی ہو تب بھی اسے مرد نہیں کہتے۔ چوہے اہم کاغذات کھا جاتے ہیں۔ کاغذات اگرچہ ذات کے کاغ ہوتے ہیں کچھ چھپا نہیں سکتے لیکن سنا ہے پارلیمنٹ کی کاروائی کے کاغذات کھانے والے چوہوں کو یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ بانجھ ہوگئے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی لائبریریوں میں نقاد اور چوہے کتابیں چاٹ جاتے ہیں اور دونوں تخلیقی نہیں رہتے۔ البتہ ہماری اسمبلی کی کاروائی اتنی لذیذ ہوتی ہے کہ ارکان زخم اور چوہے زبان چاٹتے رہ جاتے ہیں۔ بنگال میں تو چوہے مارنے پر کئی ٹکے انعام ملتا ہے جیسے ہمارے ہاں اشفاق احمد اور بانو قدسیہ ایک زمانے میں گھر کی چیزوں کا حساب یوں لگایا کرتے تھے: یہ صوفہ سیٹ دو ڈراموں میں آیا۔ ان کرسیوں کی قیمت ایک ڈرامہ یہ فریج قسطوں پر لی' ڈرامے کی چھ قسطوں پر۔ ایسے ہی بنگال کے غریب لوگ گھر کا حساب کتاب یوں کرتے ہیں: آدھ پاؤ دال تین چوہا' منے کے کپڑے کی قیمت دس چوہا لیکن ان چوہوں نے برطانیہ میں بلی کو سٹیٹس مین سمبل بنادیا ہے۔ اگرچہ سٹیٹس مین تو ہمارے ہاں بھی ساتھ بلی ضرور رکھتے ہیں مگر بلی کو تھیلے سے باہر نہیں نکالتے۔

جیسے انسان کتے کا وفادار ساتھی ہے ایسے ہی بلی وفادار کی ساتھی ہے۔ بلی اہل یورپ کے لیے تو خالہ ملت ہے۔ 1346ء سے لے کر 1350ء تک جب اتنے چوہے تھے کہ یورپ کے لوگ گھر میں آکر دراز دیکھتے تو وہاں چوہا ہوتا' بستر میں چوہا' اٹیچی کیس دیکھتے تو اس میں بھی چوہا ہوتا۔ یہاں تک کہ شیشہ دیکھتے تو اس میں بھی چوہا ہوتا۔ ان دنوں جادوگرنیوں نے ٹونوں کے لیے بلیوں کا صفایا کردیا تھا اور چوہوں نے طاعون سے ان سب

کا صفایا شروع کردیا۔ عدالت جادوگرنیوں کو یہ سزا سناتی کہ انہیں پتھر سے باندھ کر پانی میں ڈبو دیتے جو ڈوب کر مر جاتی اس کا مطلب ہوتا وہ جادو گرنی نہیں بے گناہ تھی۔ جو بچ جاتی اسے جادوگرنی سمجھا جاتا۔ سوائے یہ سزا دی جاتی کہ اسے زندہ جلا دیا جاتا تب بھی یورپ والوں کو بلیوں نے بچایا۔ آج بھی وہ مصیبت میں ہوں تو بلی سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اب انھوں نے بلی کو پارلیمنٹ بچانے کا فریضہ سونپا ہے ہمیں اسمیں یہ خوشی ہے کہ شاید وہ پاکستان سے بلیاں برآمد کریں جو وہاں چوہے برآمد کرسکیں۔ امریکہ تو آج کل ویسے بھی روس کے ٹکڑوں پر پل رہا ہے اور نامعلوم کب چین کے ٹکڑوں کے لیے پل پڑے۔ ایسے میں وہ دافع بلیات کیسے ہوسکتا ہے پھر ہماری بلیوں میں یہ خوبی بھی ہے کہ وہ صرف ہمیں ہی میاؤں کرتی ہیں۔ یوں بھی امریکہ کو تو اپنے الیکشنوں پر گدھے پاکستان سے منگوانے پڑے تھے۔ اس حساب سے تو ہماری بلیاں برطانیہ میں پہنچنا بھی شروع ہوگئی ہوں گی کیونکہ جب امریکی الیکشن کے موقع پر ایک اخبار نے خبر دی کہ وہاں کی ری پبلکن پارٹی اپنا انتخابی نشان گدھا پاکستان سے منگوانا چاہ رہ ہے تو پاکستان کے تمام گدھے وہاں پہنچنے کی کوششیں کرنے لگے۔ صرف چار ٹانگوں والے گدھے بچے تھے۔

○○○

• بابا ازم

ہماری سیاست میں دو ولی خان ہیں ایک نسیم ولی خان اور دوسرے سادہ ولی خان' ان کا ہر فقرہ "بابا" سے شروع ہوتا ہمیشہ کہتے کہ ہمارے بابا سب سے بڑے لیڈر ہیں۔ سچی بات ہے ہم بھی ہی مانتے ہیں کیونکہ ہم نے اپنی اس عمر میں ان سے بڑی عمر کا لیڈر نہیں دیکھا مگر گذشتہ دنوں ولی خان صاحب کا بیان پڑھ کر لگا وہ بابا ازم کو بائے ازم کررہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ساٹھ سال سے زیادہ عمر کے سیاستدانوں پر پابندی لگا دینی چاہیے۔ اللہ ان کی زبان اور عمر دراز کرے۔ پہلے ہم نے سمجھا کہ ایک سو ساٹھ سال کہا ہوگا کیونکہ ان کے خاندانی پس منظر کے حسب سے تو ساٹھ ساٹھ سال کے ابھی بچے ہوتے ہیں۔ خان صاحب اپنی لائف پارٹی اور پارٹز کے مزاجی خدا ہیں۔ ان کا تو مزاج ایسا ہے کوئی جاننے والا فوت بھی ہو جاتے تو اس کی وفات پر گہرے دکھ اور غم و غصے کا اظہار کریں گے وہ تو دوران گفتگو ضرب الامثال یوں برتتے ہیں لگتا ہے امثال کو ضربیں لگا رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے انہوں نے غصے میں آکر یہ بات کہہ دی ہو ویسے بھی ہمارے ہاں بوڑھے سیاست دان ہیں کہاں؟ سب بزرگ سیاست دان ہیں۔ پیر پگاڑا صاحب سے بات کرو تو وہ کہتے ہیں ابھی تو میں جوان ہوں' عبدالستار خان نیازی صاحب کی تو ابھی عمر ہی کیا ہے ان کی تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔ حضرت نورانی صاحب سے عمر کی بات کریں تو حضرت عمر کا بتا کر باتوں میں لگا لیتے ہیں۔ نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب تو بقول پیر پگاڑا ابھی ہیں ہی نابالغ' کیونکہ نوابزادہ تو نواب کا لڑکا ہوتا ہے۔ ہم نے تو آج تک کسی سیاست دان کو سو سال کی عمر میں بھی خود کو معمر کہلواتے نہیں سنا۔ ایک کرنل قذافی ہیں جو اوائل عمری سے خود کو معمر کہلوا رہے ہیں۔

اگرچہ سائنس آج تک یہ پتہ نہیں کر سکی بندہ بوڑھا کب ہوتا ہے؟ اتنا پتہ ہے کہ بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو وہ بھاگ کر گھر سے باہر جانا چاہتا ہے اور جب وہ

وقت پر گھر آنے لگے تو سمجھ لیں وہ بوڑھا ہو رہا ہے۔ ہمارے ہاں تو بوڑھوں کے سر پر بال نہیں بال بچے ہوتے ہیں۔ بہرحال بوڑھے اللہ کی رحمت ہوتے ہیں جو دن رات ہم پر برستے ہیں۔ سید ضمیر جعفری صاحب نے لکھا ہے کہ بڑھاپے میں بندہ برا سوچ تو سکتا ہے مگر برا کر نہیں سکتا۔ شاید اسی لیے ولی خان صاحب بوڑھوں کو سیاست میں بے مصرف سمجھتے ہیں۔ ہمیں تو بوڑھے' نوجوانوں سے زیادہ پیارے ہیں خدا کو بھی جوانوں سے زیادہ بوڑھے پیارے ہوتے ہیں پھر نوجوان سیاست دان اقتدار میں آیگا تو اپنا مستقبل تابناک بنانے کے لیے بد عنوانیاں کرے گا اور بوڑھا تو اپنا مستقبل تابناک بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ توبہ استغفار ہی کرے گا۔ ہمارے ہاں تو انتخابی حلقوں میں بھی بوڑھے امیدواروں کو لوگ زیادہ کامیاب کراتے ہیں ہم نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی تو بولے ضمنی انتخاب کا موقع ملتا ہے۔

1979ء میں سابق امریکی صدر رونالڈریگن نے لکھا کہ میں نے ہمیشہ کہا سیاست دنیا کا دوسرا قدیم ترین پیشہ ہے اور سیاست میں آکے مجھے پتہ چلا کہ یہ پہلے قدیم ترین پیشے سے بڑی مماثلت رکھتا ہے ہماری تو پہلے قدیم ترین پیشے کے بارے میں معلومات بھی چند منٹوں اور منٹو تک محدود ہیں لیکن اتنا علم ہے کہ کم عمری کی اس پیشے سے زیادہ قدر کہیں اور نہیں'شاید اسی لیے خان صاحب دوسرے قدیم ترین پیشے میں بابوں پر پابندی لگانا چاہتے ہیں۔ دروغ بر گردن راوی جو بہتا نہیں کہتا ہے' خان صاحب نے کہا 60 سال سے زیادہ عمر کے سیاست دان بڑی جذباتی اور بے ربط گفتگو کرتے ہیں اگرچہ قائل نہیں ہیں تو مجھ سے بحث کر لیں' صاحب ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق بھی ساٹھ سال کے بعد بندے کا ذہن اتنا نہیں چلتا۔ زیادہ کا جوانی میں ہی چل جاتا ہے۔ سو اس عمر میں بندہ ایسی باتیں بھی کہنے لگتا ہے جس کی ہم توقع بھی نہیں کررہے ہوتے۔ ثبوت کے طور پر آپ یہ پابندی والا بیان پڑھ لیں۔

- **آ۔داب**

لیجئے صاحب! تحریک اصلاح معاشرہ نے ملک سے رشوت اور سفارش ختم کرنے کے لیے جن اقدامات کا اعلان کیا ہے' ان میں مشاعرے کرانا بھی شامل ہے یوں ہمیں یہ تحریک اصلاح مشاعرہ لگنے لگی ہے مگر ہمارے شاعر دوست آخر مراد آبادی بڑے خوش ہیں اگرچہ اردو شاعری پر ہمارا بڑا احسان ہے اور اس بنا پر ہمیں اردو شاعری میں ہمیشہ یاد رکھا جاناچاہیے کہ ہم نے تمام مواقع ملنے کے باوجود شاعری نہیں کی البتہ بیس سال کی عمر میں ہم نے مشاعروں میں آنا جانا بلکہ جانا شروع کر دیا تھا ہمارے خیال میں اس سے کم عمر لوگوں کو مشاعروں میں نہیں جانا چاہیے البتہ بحیثیت شاعر جانا ہو تب کوئی مضائقہ نہیں مشاعرہ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں ہر شاعر سمجھتا ہے کہ دوسرا اس کا شعر سن کر محظوظ ہو رہا ہے حالانکہ وہ اپنی باری قریب آنے کی وجہ سے خوش ہو رہا ہوتا ہے' البتہ کبھی کبھی سننے والے ان کے کلام سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ کلام تک نہیں کرتے ایک بار تو جناب آخر مراد آبادی صاحب نے جیل میں منعقدہ مشاعرہ ایسا لوٹا کہ وہاں کے لوگ انہیں اپنے پاس رکھنے پر بضد تھے۔ ان کی آوازمیں سوز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ جی ہاں سننے والوں نے کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ ایک بار استاد قمر سودائی صاحب نے انہیں کہا کہ صاحب لگتا ہے فلاں بندے نے آپ کا کلام نہیں پڑھا۔ پوچھا: آپ کو یہ کیسے لگا؟ کہا: ایسے کہ وہ آپ کی تعریف کر رہا تھا۔ ویسے مظاہرے کا سن کر جس شاعر کے چہرے پر رونق نہ آئے ان کا چہرہ نہ دیکھیں نبض دیکھیں ہمارے ہاں مشاعروں نے اتنی ترقی کی ہے کہ اب تو یہاں سے شاعر لندن تک بھیجے جاتے ہیں' جس پر ایک خاتون نے وہی کہا جو پہلی بار خلا میں بندر بھیجنے پر ایک صحافی خاتون نے لکھاتھا کہ یہ بندروں سے جان چھڑانے کا بڑا مہنگا طریقہ ہے۔ ویسے بندر کو ڈارون نے اانسان کا جدامجد قرار دیاہے جب اس نے یہ تھیوری پیش کی تو مقامی کالج کے کچھ لڑکوں نے

آکر کہا کہ ہم تو نہیں مانتے کہ ہمارے باپ دادا بندر تھے۔ تو ڈاروِن نے کہا تم نہیں مانتے تو نہ مانو میرا لڑکا تو مانتا ہے۔ ویسے آخری مراد آبادی کے پاس بندہ گھڑی بیٹھ جائے تو اسے ڈاروِن کی باتوں پر یقین آنے لگتا ہے۔

شاعر ست رفتاری میں بڑے تیز ہوتے ہیں۔ بیوی کے ساتھ جا رہے ہوں سامنے مشاعرہ ہوتا نظر آ جائے تو اسے یہ کہہ کر وہیں چھوڑ جائیں گے تم پانچ منٹ ٹھہرو میں آدھے گھنٹے میں آیا۔ ہمارے دوست شعیب بن عزیز صاحب کہتے ہیں میں لیچیاں کھاتے اور روایتی شعراء کا کلام پڑھتے ہوتے عینک ضرور لگا لیتا ہوں کہ کیا پتہ کب اول الذکر سے سنڈی اور آخرالذکر سے اچھا شعر نکل آئے۔ مشاعروں میں کئی لطیفے جنم لیتے ہیں جس کی وجہ آخر مراد آبادی صاحب نے یہی بتائی جو انہوں نے اس سوال کے جواب میں بتائی کہ مشرقی پنجاب میں زیادہ لطیفے کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ جو یہ تھی کہ محکمہ منصوبہ بندی کی حماقتوں کی وجہ سے۔ ویسے بھارت میں تو مشاعروں نے اتنی ترقی کر لی کہ وہاں تو جس ہال میں شاعرات کا مشاعرہ ہو رہا ہو اس کے دروازے پر موتیے کے ہار اور روپے روپے کے نوٹ بیچنے والے آجاتے ہیں وہ داد ملنے پر آداب بھی یوں کہتی ہیں کہ لگتا جیسے کہہ رہی ہیں۔ آ۔داب۔

امریکہ نے سائنسی تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ موسیقی اور شاعری سن کر بھینسیں زیادہ دودھ دیتی ہیں سو میلہ مویشیاں پر مشاعروں کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے لیکن سفارش اور رشوت کے انسداد کے لیے مشاعروں کا رول ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ سفارشیوں اور رشوت خوروں کو سبق سکھانے کے لیے انہیں ایسے مشاعروں میں بطور سامعین مدعو کیا جائے' بہرحال آخر مراد آبادی نے ان ممکنہ مشاعروں میں اپنا نام شامل کرانے کے لیے ابھی سے سفارشیں ڈھونڈنا شروع کر دی ہیں۔

○○○

- Show-Her

لندن میں تو آج کل شاہی خاندان کی وجہ سے طلاق لینا اسقدر فیشن بن گیا ہے کہ وہاں تو وہ عورتیں بھی طلاق کے حصول کے لیے کوشاں ہیں جن کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔ ہمارے ہاں بھی "شاہی" خاندان اور فلمی اداکاراؤں کی کی شادیوں کا لوگوں کو اسی دن پتہ چلتا ہے جس روز ان کی طلاق ہوتی ہے۔ سو جن کی سال دو سال میں طلاق نہ ہو لوگ ان کے میاں بیوی ہونے پر شک کرنے لگتے ہیں۔ کرکٹر سرفراز نواز صاحب نے اداکارہ رانی کو طلاق دے کر اپنی شادی کنفرم کردی مگر ساتھ ہی کئی اداکاراؤں کی شادیاں مشکوک قرار دے دیں۔ فرمایا ان سب کی شادیاں بس زبانی کلامی ہوتی ہیں گویاان کے منہ بولے شوہر ہوتے ہیں۔
صاحب بندہ ایک بار کسی اداکارہ سے شادی کرلے پھر وہ ایسے کام چھوڑ بھی دے مگر لوگ اسے اس لذیذہ کا سابق شوہر ہی کہیں گے وہ بھی یوں جیسے کہتے ہیں یہ فلاں کا بیٹا ہے فلاں کا باپ ہے۔ سرفراز نواز صاحب ہمارے ایسے فاسٹ باؤلر رہے ہیں جن کا اوور بعد میں ہوتا وہ پہلے اوور ہوجاتے بلکہ ان کی گیند سے بیٹسمین تو کہیں بعد میں جاکر آوٹ ہوتے یہ پہلے ہی آؤٹ ہوجاتے۔ اب بھی وہ 100 ہارس پاور کی موٹر سائیکل پر بیٹھے ہوں تو اس کی ہارس پاور دو سو ہوجاتی ہے۔ فاسٹ باؤلر میں سب سے بڑی خامی یہی ہوتی ہے کہ وہ بڑا فاسٹ ہوتا ہے یوں اس بولڈ بندے کو رانی نے کلین بولڈ کردیا۔ رانی ہماری بڑی نورجہاندیدہ اداکارہ تھیں ان کی زندگی میں بڑے نشیب و سرفراز آئے۔ وہ بڑی منجھی ہوئی اداکارہ اور بیوی تھیں۔ کہتے ہیں ایک ایسی ہی اداکارہ کا دو نمبر خاوند اسے اس لیے چھوڑ گیا کہ سب اسے دو نمبر خاوند کہتے تاہم ہم نے یہ پتہ چلانے کی کوشش کی کہ آخر سرفراز نواز نے رانی کو طلاق کیوں دی؟ یہی پتہ چلا کہ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ اس نے رانی سے شادی کی تھی۔ اگرچہ کسی اداکارہ سے

شادی وہی کرتا ہے جس کا فی الحال شادی کرنے کا پروگرام نہیں ہوتا۔ شادی کے بعد سرفراز نواز صاحب نے ایک قریبی دوست سے پوچھا کہ اداکارہ سے شادی کرنے کے بعد بندے کو کیا کرنا چاہیے۔ تو دوست نے کہا پھر بندے کو کچھ نہیں کرنا چاہیے۔ بہرحال سرفراز نواز صاحب نے رانی کو طلاق دے کر سمجھا ہے انہوں نے پوری فلم انڈسٹری کو طلاق دی۔ وہ ایسا کیوں سمجھتے ہیں' اس کی وجہ تو ہمیں معلوم نہیں تاہم انہوں نے زیبا پر نازیبا اور شیم آراء پر شیم آراء الزام لگائے ہیں کہ ان کے تحریری نکاح نہیں ہوئے۔ ویسے علی زیبا ایک دوسرے کا جس قدر احترام کرتے ہیں ہمیں بھی وہ میاں بیوی نہیں لگتے کہ جن میاں بیوی میں سال میں ایک بار بھی لڑائی نہ ہو یقین کر لیں وہ ایک دوسرے کو میاں بیوی سمجھتے ہی نہیں۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ فلمی اداکارائیں اپنی غلطیاں اور خاوند چھپاتی ہیں۔ شوہر کسی کو دکھانا بھی پڑجاتے تو گزشتہ دکھا کر گزارہ کرلیتی ہیں۔ انہیں بھی یوں بلاتی ہیں کہ لگتا ہے شوہر نہیں Show-Her کہہ رہی ہوں ویسے تو ہمارے گاؤں کی عورتیں بھی اتنی شرمیلی ہوتی ہیں کہ کبھی کسی بری اور بے ہودہ چیز کا نام اپنی زبان پر نہیں لاتیں وہ تو خاوند کو بھی نام لے کر نہیں بلاتیں بہرحال جو خاوند آرام کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں فلم انڈسٹری ان کی آخری آرام گاہ ہے۔

سرفراز نواز نے اداکاراؤں کی منہ زبانی شادیوں کا ثبوت دیا ہے کہ ان کے ولیمے نہیں ہوتے جس پر ایک فلمی اداکارہ نے کہا اس حساب سے تو ہم ہر ماہ ولیمے ہی کرتی رہیں' فلمیں نہ کریں۔ یاد رہے شادی بیوی کی رخصتی کا دن ہوتا ہے' جبکہ ولیمہ خاوند کا اپنے یاروں دوستوں سے رخصتی کا روز۔ اور اداکارہ سے شادی کرنے کی صورت میں تو رخصتی شادی سے بہت پہلے ہوچکی ہوتی ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ نکاح نامے نہ لکھنے کی وجہ اداکاراؤں کی خاوندگی کی بجائے ناخواندگی ہو کہ انہوں نے شاید ہی کبھی کوئی ڈگری حاصل کی ہو البتہ اکثر نے ڈگری پائی ضرور ہوتی ہے۔

• ماکول نامعقول

کھانوں کے معاملے میں ہمارا شوق اتنا ہی ہے کہ اگرکوئی پوچھے آپ کی پسندیدہ ڈش؟ تو ہم ہی کہیں گے جو صاف ہو' یہ الگ بات ہے کہ ہم نے خالی دماغ اور خالی پیٹ

حضرات کے مشوروں پر ہمیشہ عالی دماغ اور عالی پیٹ حضرات کو ہی ترجیح دی۔ ان دنوں سری لنکا میں ایسے ہی لوگوں کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں چائے کی اس قدر تعریفیں کی گئیں کہ ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم چائے پیتے رہے ہیں ورنہ ان کے حساب سے تو ہم اب تک زندہ نہ رہ سکتے۔ سری لنکا کو بھگوان کی آنکھ سے ٹپکا آنسو کہتے ہیں مگر سری لنکا خود کو چائے کا بھگوان سمجھتا ہے۔ یہاں کے آدھے لوگ کہتے ہیں بدھ مت کا ذکر کرو' آدھے کہتے ہی بدھ کا مت ذکر کرو۔ سنہالی ان کی قومی زبان ہے جو بولی جارہی ہو تو لگتا ہے کہ چائے دانی سے چائے انڈیلی جارہی ہے۔ اگرچہ تامل اس زبان کو اپنی سمجھنے میں تامل کرتے ہیں مگر سب چائے اگانے کے لیے روپے کی طرح پانی بہاتے ہیں۔ گزشتہ دنوں ہونے والی کانفرنس میں چائے پر تحقیقی مقالے پڑھے گئے جن کے مطابق دنیا کے تمام مسائل کا حل چائے کی پیالی میں ہے اگرچہ ہمارے دانشور تو پہلے ہی چائے کی پیالی پر یہ مسائل حل کرتے آئے ہیں۔ اس کانفرنس میں ڈاکٹر ڈونالڈ نے اپنا تحقیقی مقالہ پڑھا کہ چائے پینے سے جراثیم مرجاتے ہیں۔ اگر یہ بات ٹھیک بھی ہو تب بھی جراثیموں کو چائے پلانا کوئی آسان کام نہ ہو گا۔ ڈاکٹر مائیکل نے کہا چائے کی پتی چباتے رہنے سے دانت کا درد نہیں رہتا۔ یہ بات بھی ٹھیک ہے دانت رہے گا تو درد رہے گا۔ ڈاکٹر جیون رام صاحب نے تو کہا کہ روزانہ ایک کپ چائے بندے کو ڈاکٹر سے دور رکھنے کے لیے کافی ہے۔ ایک انگریزی محاورہ ہے کہ روزانہ ایک سیب ڈاکٹر کو آپ سے دور رکھتا ہے۔ سو ہماری انگریزی زبان کی ایک ٹیچر جب ہفتے کے لیے اپنے ماں باپ کے ہاں جاتی تو اپنے ڈاکٹر خاوند کے کلینک کی نرس کو سات

سیب دے جایا کرتی' بہرحال ڈاکٹر جیون رام کی اس تحقیق کے بعد سے ان کی بیوی نے چائے پینا شروع کر دی ہے۔ ہمیں اتنا تو پتہ تھا کہ ہر مشروب میں ایک آدھ فائدہ تو ہوتا ہی ہے جیسے ام الخبائث پی رکھی ہو تو آپ کو پارکنگ کے لیے جگہ کا مسئلہ نہیں رہتا لیکن کانفرنس کے ماہرین نے ہزاروں کے مجمع میں اعلان کیا کہ آج تک کوئی شخص چائے پینے سے نہیں مرا اگر کوئی مرا ہے تو وہ ہاتھ کھڑا کرے۔ انہوں نے چائے نوشوں کو صحت کی گارنٹی دی ایسے ہی گوجرانوالہ کے ایک پہلوان نے جو شیشے کے گلاس بیچتے ہیں گاہک سے کہا میرے گلاسوں کی قیمت دوسروں سے اس لیے زیادہ ہے کہ میں ساتھ گارنٹی بھی دیتا ہوں اور اس وقت تک کی گارنٹی دیتا ہوں جب تک یہ ٹوٹ نہ جائیں۔ ڈاکٹر صاحبان نے بتایا کہ سردیوں میں گرم چائے آپ کو گرم رکھتی ہے حالانکہ ہم نے تو سردیوں میں ٹھنڈی چائے پر لوگوں کو زیادہ گرم ہوتے دیکھا ہے البتہ گرمیوں میں گرم چائے ہی بندے کو ٹھنڈا کرتی ہے۔ ان کے بقول اگر آپ اچھا مشروب پینا چاہتے ہیں تو چائے پئیں اگر اچھا مشروب نہیں چاہتے تب بھی چائے پئیں اگر آپ وزن کم کرنا چاہتے ہیں تو آپ چائے کے سپ' آرام آرام سے لیں یوں کہ ایک سپ کا دوسرے سے کم از کم ایک سال کا وقفہ ہو۔ بہرحال ہمیں تو لگتا ہے کہ اس کانفرنس کا مقصد یہی ثابت کرنا تھا کہ چائے مشروب نہیں دوا ہے۔ ہم نے تو جب بھی کسی بچے کو چائے پیتے دیکھا ہمیں اس کے چہرے سے یہی لگا۔ سو ہم پہلے ہی اسے مشروبات کی بجائے ادویات میں شامل کرتے ہیں۔ صاحب مشروبوں میں تو ہمیں مشروب مشرق یعنی لسی پسند ہے وہ بھی ایسی کہ آپ بیک وقت اسے کھا بھی سکیں اور پی بھی سکیں۔ کچھ لوگوں سے چائے کا متضاد پوچھو تو لسی بتاتے ہیں جو ایسے ہی ہے جیسے ہمارے وفاقی وزیر چند دنوں کے لیے لندن گئے تو سوچا انگریزی بول چال کی کلاسز ہی پڑھ لی جائیں' پہلے دن ٹیوٹر نے پوچھا مجھے ان لفظوں کے متضاد بتاؤ۔

"UP?"

کہا "ڈاؤن"

"Come?"
"گو"

"Ugly?"
فرمایا "پچھلی"

لسی سے معقول ماکول کیا ہو گا ہم سے کوئی پوچھے سونا کن ملکوں میں زیادہ پایا جاتا ہے
تو جواب ہو گا جہاں راتیں لمبی ہوتی ہیں۔ انکل سرگم کے بقول ہمارے ہاں سونا سب

سے سستا ہے۔ آپ ایک گلاس لسی پی کر سو سکتے ہیں یوں ہمارے ہاں سونا کانوں میں
نہیں پایا جاتا دکانوں میں پایا جاتا ہے۔ ہم چائے کے مقابلے میں لسی کی افادیت اجاگر
کرنے کے لیے ایک ایسی ہی کانفرنس کرانا چاہ رہے ہیں جس میں تین اہم باتوں پر زور
ہو گا ایک تو یہ کہ لسی پینے سے آدمی کی صحت بہتر ہو جاتی ہے۔ دکان پر کھڑے
ہو کر لسی کا گلاس پیتے پیتے اتنی طاقت آجاتی ہے کہ لسی کے پیسے دینے کو دل نہیں
چاہتا۔ دوسرا یہ کہ اسے پینے سے آدمی کا دماغ تیز ہو جاتا ہے بندہ چست ہوجاتا ہے
اور تیسری بات اس وقت یاد نہیں آرہی کیونکہ میں نے لسی پی ہے اور مجھے نیند آرہی
ہے۔

○○○

- "ہاف برادر"

کہتے ہیں ایک زمانہ آئے گا جب دنیامیں صرف پانچ بادشاہ رہ جائیں گے۔ چار تاش کے اور ایک برطانیہ کا۔ بادشاہوں کا تو پکا پتہ نہیں البتہ اتنا علم ہے کہ آج کل دنیا میں پانچ یکے ہیں۔ چڑیا کا یکہ' پان کا یکہ' حکم کا یکہ' اینٹ کا یکہ اور امریکہ۔ لوگ اسے دنیا کا ہاف برادر بھی کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ پورا برادر بلکہ برادران یوسف ہے۔ مردہمیشہ زن اور امریکی عورتیں وزن کے بارے میں فکر مند رہتی ہیں۔ سو مرد اضافے اور عورتیں کمی کی باتیں کرتی ہیں۔ یوں یہ پتہ نہیں چلتا کہ دونوں میں سے زیادہ بور کون ہے؟ لیکن ڈرامہ سیریل Roots کے بعد سے امریکیوں کو اپنے "آباؤ اضداد" کے بارے میں ریسرچ کرنے کا اتنا شوق چڑھا ہے کہ ایسے ایک محقق نے اپنی گرل فرینڈ کو کہا میں اپنی Roots تلاش کرنے کے بعد شادی کروں گا۔ ریسرچ مکمل ہوئی تو لڑکی نے شادی کے لیے کہا۔ موصوف بولے میرے باپ دادا نے جو کام نہیں کیاوہ میں کیوں کروں؟ مگر کبھی کبھی تو امریکی بھی ایسی ریسرچ کرجاتے ہیں جیسے جب نواب اچھن مرزا جو لکھنؤ کے بڑے رئیس تھے ان کے ہاں چوری ہوئی تو ان کے نوکر نے کہا سرکار میں نے تحقیق کرلی کہ یہ کس کا کام ہے؟ پوچھا کس کا کام ہے؟ کہا "یہ کسی چور کا کام ہے۔" یہی کچھ ڈاکٹر برٹن نے کہا انہوں نے کئی برسوں کے تحقیق کے بعد یہ بتایا ہے کہ امریکہ کے پہلے صدر جارج واشنگٹن کے منہ میں اصلی دانت نہ تھے بلکہ انہوں نے ہاتھی کے دانتوں کی بتیسی بنوا کر لگوارکھی تھی۔ ہاتھی وہ جانور ہے جس کے آگے پیچھے دونوں طرف دم ہوتی ہے۔ یہ دنیا کا وہ جانور ہے جس کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر برٹن نے یہ جاننے کے لیے کئی برس ریسرچ کی۔ حالانکہ ہمیں تو 1965ء اور 1971ء میں ہی پتہ چل گیا تھا کہ امریکی صدروں کے منہ میں ہاتھی دانت ہوتے ہیں۔ جس کا یہ مطلب نہیں کہ جس کے منہ میں ہاتھی دانت

ہوں وہ ضرور امریکی صدر ہی ہو۔ وہ ہاتھی بھی ہو سکتا ہے۔ ویسے امریکی سیاست میں "ہاتھی" کا ہمیشہ بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ لیکن جتنے سفید ہاتھی ہمارے ہاں پائے جاتے ہیں امریکہ میں کہاں ہوں گے مگر ہمیں تو مشرق کی چیزیں اچھی ہی نہیں لگتیں۔ ویسے یہ اچھی ہوتی بھی نہیں۔ امریکی سورج ہے نظر تو آتا ہے مگر یہ پتہ نہیں چلتا طلوع ہو رہا ہے یا غروب۔ ہمارے ہاں سورج مشرق سے نکلتا ہے اسی لیے ہمیں تنگ کرتا ہے۔ صبح سات آٹھ بجے جب بھرپور نیند کا وقت ہوتا ہے نکل آتا ہے۔ اکثر کالم نگاروں کے بارے میں لوگوں کو شکایت ہے کہ وہ چڑھتے سورج کو سلام کرتے ہیں لیکن ہم سے نہیں کیونکہ ہم کبھی اس وقت اٹھے ہی نہیں جب سورج چڑھتا ہے۔ بہرحال ہوسکتا ہے ہمارے سفید ہاتھیوں کی اس لیے قدر نہ ہو کہ ان کے منہ میں ہاتھی کے دانت نہیں بلکہ دودھ کے دانت ہیں۔ دانتے کے بعد جارج واشنگٹن کے نام کے ساتھ دانت آیا ہے۔ امریکیوں کے "فادر آف دی نیشن" ہیں اور نئی نسل ان کا نام سنتے ہی پکار اٹھتی ہے باپ رے باپ۔ کھاتے پیتے گھرانے سے تھے۔ بعد میں تو صرف پیتے گھرانے سے رہ گئے۔

سو ڈاکٹر برٹن کے مطابق بدپرہیزی سے دانت میں درد ہونے لگا۔ ویسے دانت کا درد اسے ہی نہیں ہوتا جس کے دانت نہ ہوں۔ سو انہوں نے سارے دانت نکلوا کر لکڑی کی بتیسی لگوالی۔ انہیں بات بات پر دانت نکالنے کی عادت تھی۔ پھر سگار پیتے وقت بھی آگ بجھانے کا سامان پاس رکھنا پڑتا کہ کہیں دانتوں کو آگ نہ لگ جائے' دیمک کا خطرہ الگ۔ سونے کے دانت اس لیے نہ لگوائے کہ چوری نہ ہوجائیں۔ کیونکہ امریکہ میں اتنی چوریاں ہوتی ہیں کہ چور ایک سٹور لوٹ رہے تھے کہ ان کا ساتھی بھاگا بھاگا آیا اور بتایا کہ ہم نے بھاگنے کے لیے باہر جو کار کھڑی کی تھی وہ چوری ہوگئی ہے۔ سو ڈر تھا کہ کہیں رات کو منہ کھلا نہ رہ جائے اور کوئی چور دانتوں کی صفائی نہ کر دے کیونکہ امریکیوں کو منہ بند رکھنا کہاں آتا ہے؟ ویسے بھی فی زمانہ منہ بند رکھنے کے جتنے طریقے ہیں پان کھانا ان میں سب سے بہتر ہے۔ اسی لیے مارشل لاء کے دنوں

میں ہمارے ہاں پان زیادہ بکتے ہیں۔ سو جارج واشنگٹن کو ہاتھی دانت تراش کر بتیسی بنا کردی گئی۔ ویسے ہمیں اس ریسرچ سے یہ ضرور پتہ چلا کہ جارج واشنگٹن نے کسی بھی معرکے میں سر کیوں نہ جھکایا؟ بتیسی گرنے کا ڈر ہوتا ہوگا۔ سنا ہے انہوں نے بتیسی سے ایک دو دانت نکلوا دیئے تھے تا کہ دانت اصلی لگیں یوں بتیسی کی بتیسی بلکہ ایسی تیسی کر دی۔ ہوسکتا ہے وہ امریکی صدر کے اصلی دانت ہی ہوں کیونکہ ان کے دانت بھی کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور اس خوبی کی وجہ سے ان پر ہاتھی دانت کا شک کیا گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کوئی اور ڈاکٹر برٹن یہ ریسرچ پیش کرے کہ جو دانت ملے ہیں وہ تو جارج واشنگٹن کے ہیں لیکن وہ جس منہ سے ملے ہیں وہ ان کا نہیں ہے۔

○○○

• راگ درگت

ہم راگوں کی اس قدر عزت کرتے ہیں کہ قسم لے لیں جو کبھی کسی راگ کو تو کیا کسی راگنی کو بھی کبھی چھیڑا ہو۔ یہ تو استاد کالے خان ہی ہیں جو انہیں چھیڑتے رہتے ہیں آج کل وہ راگ درگت گا رہے ہیں' ان کے بقول یہ راگ گانے سے دنیا میں خانہ جنگی ختم ہوجائے گی۔ ہوسکتا ہے یہاں خانہ جنگی سے مراد گھریلو لڑائی ہو کیونکہ ایک مفکر کے بقول تو شادی کرنا خانہ جنگی کا آغاز کرنا ہے۔ اگرچہ استاد کی بیگم بھی بڑی استاد ہیں موسیقی سے تو انہیں بس اتنا لگاؤ ہے کہ ایک بار بتارہی تھی میں نے جوانی میں ریاض کرنا چاہا گھر والے نہ مانے تو میں نے استاد کالے خان کو کرلیا لیکن پھر بھی وہ گھر میں اتنا راگ درگت چھیڑتیں لگتا خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس جنگ میں کوئی نہ ہارتا بیگم اول اور استاد دوم آتے۔ استاد بیوی سے اپنے تعلقات کشیدہ رہنے کی وجہ یہ بتاتے کہ میری بیوی کو کشیدہ کاری کا بہت شوق ہے۔ آج کل تو وہ اس اصول کو اپنی کامیاب ازدواجی زندگی کا راز بتاتے ہیں کہ صبح سے دوپہر تک بیگم وہ کرتی ہے جو وہ چاہتی ہے اور دوپہر سے صبح تک میں وہ کرتا ہوں جو وہ چاہتی ہے۔ سو ممکن ہے وہ ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر غیر ذاتی خانہ جنگی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے دنیا کی بڑی بڑی جنگیں کسی میدان میں نہیں بلکہ دالان میں لڑ گئیں اور یہ سب لاز کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے ہوا۔ آپ پوچھیں گے گھر میں کونسے لاز لاگو ہوتے ہیں تو جناب یہ مدر ان لاء' سسٹر ان لاء اور بہت سے ان لاز ہیں ہمیں تو پچھلے دنوں شہزادی این' نیلسن منڈیلا اور سارہ فرگوسن کی طلاقیں خانہ جنگی ختم کرانے کی مہم کا ہی حصہ لگتی ہیں جنگ کوئی بھی ہو اس کے شروع میں "جن" آتا ہے جو سب الٹ پلٹ دیتا ہے ہماراسارا بچپن جنگوں کے سننہ یاد کرتے گزرا۔ ٹیچر ہم سے ہر جنگ کی

تفصیل یوں پوچھتا جیسے چشم دید گواہوں کا بیان ریکارڈ کررہا ہو۔ اگر ہم ذرا سے بھول جاتے تو یوں غصے میں آتا جیسے ہماری بھول سے جنگ ہارنے کا خدشہ ہو۔ جنگیں رٹتے رٹتے یہ حال ہو گیا کہ کوئی پوچھتا الطاف حسین حالی کہاں پیدا ہوا؟ تو ہم کہتے پانی پت کے میدان میں' جنگ میں ہمیں صرف یہی خوبی نظر آتی ہے کہ جنگ میں سب جائز ہوتا ہے یوں بندہ ناجائز کاموں سے بچ جاتا ہے۔ پہلے زمانے میں جو بغیر ہتھیار کے لڑتا وہ بے وقوف کہلاتا آج کل جو بغیر ہتھیار کے لڑتا ہے وہ جرنیل ہوتا ہے پھر جنگ وہ کام ہے جس کے لیے کسی صلاحیت کی ضرورت نہیں' جنگ عظیم دوم میں ایک جرمن فوجی افسر جو بھرتی کے لیے لائے امیدواروں کی آنکھوں کا معائنہ کرتا یہ لکھ کر فٹ قرار دیتا کہ "آنکھیں ہیں" پھر جنگ میں بندہ کسی کو معاف نہیں کرتا۔ 1836ء میں سکھوں نے قبائلی علاقے میں ایک قلعہ بنایا جو آج کل شب قدر فورٹ کہلاتا ہے۔ دو سال بعد درانی قبیلے نے اس پر قبضہ کرلیا۔ رنجیت سنگھ نے جب اسے دوبارہ فتح کیا تو ایک انکوائری کمیٹی کے ذمے یہ لگایا کہ وہ پتہ کرے کہ درانی قبیلے نے کیسے اس پر قبضہ کیا؟ اس انکوائری کمیٹی نے تمام سکھ بری کردئے اور یہ فیصلہ دیا کہ یہ سارا قصور قلعے کے گیٹ کا ہے جو دشمن کے ساتھ مل کر خودبخود کھل گیا۔ سزا کے طور پر اسے زنجیروں سے جکڑ کر عمر قید کی سزا سنائی گئی جو یہ گیٹ ابھی تک اس قلعے میں الٹا لٹکا بھگت رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا باہر سے حملہ آور آتے اور جنگ ہوتی پھر ہم اتنے خود کفیل ہو گئے کہ کسی غیر کی ضرورت نہ رہی۔ مسلمانوں میں خود اتنے فرقے ہیں کہ لڑنے کے لیے ہم کسی غیر مسلم کے محتاج نہیں رہے' یوں جنگ میدان سے دالان تک آ گئی۔ صومالیہ کے ایک شاعر کی نظم ہے:

میں اور صومالیہ دنیا کے خلاف ہیں
میں اور میرا قبیلہ صومالیہ کے خلاف ہے
میں اور میرا خاندان قبیلے کے خلاف ہے

میں اور میرا بھائی خاندان کے خلاف ہے

اور میں اپنے بھائی کے خلاف ہوں

استاد کالے خان کے نزدیک یہ سب خانہ جنگیاں راگوں کو بے وقت گانے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ ہمارے خیال میں تو اگر وہ کہتے کہ یہ راگوں کو بے وقت سننے سے ہوتی ہیں تو زیادہ مناسب تھا۔ تاہم استاد خانہ جنگی کرنے والوں کی درگت سے یعنی راگ درگت سے اصلاح چاہتے ہیں۔ ہم نے کہا اگر کسی نے اس راگ کا توڑ بھی تیار کرلیا اور خانہ جنگی بند نہ ہو سکی تو ۔ ۔ ۔ ۔ کہا جو شخص ایسا کرے گا میں اس کا منہ کلا کرکے گدھے پر بٹھا کر شہر کا چکر لگاؤں گا۔ جس پر ہم وہی کہہ سکتے ہیں جو ایک مجرم نے کوتوال شیدی فولاد خان کو کہا تھا: فولاد خان شاہی دور میں دہلی کے کوتوال تھے۔ رنگ کے کالے طبیعت کے کالے۔ انہوں نے ایک مجرم پکڑا اور کہا اس کا منہ کالا کرکے گدھے پر بٹھا کر شہر کا چکر لگواؤ تو مجرم بولا صاحب اور جو سزا چاہے دے دیں یہ سزا نہ دیں ۔ ۔ ۔ ۔ کوتوال نے پوچھا کیوں؟ کہا لوگ سمجھیں گے کوتوال صاحب گدھے پر سوار ہو کر سیر کررہے ہیں۔

○○○

- See Port

خبر ہے کہ ہدایت کار ظہور حسین گیلانی نے کئی دن مسلسل شوٹنگ کرکے اپنا ہی ریکارڈ توڑ دیا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں حالانکہ ہمارے ایک صحت مند وفاقی وزیر کے بچے کے سکول کا ہیڈ ماسٹر وزیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا صاحب میں یہ خبر دینے آیا ہوں کہ آپ کے بیٹے نے سکول کا سابقہ ریکارڈ توڑ دیا۔ تو وزیر صاحب نے کہا معمولی بات ہے اگر بچے نے غلطی سے توڑ دیا ہے تو کیا ہوگیا ہم نیا لے دیں گے۔

سو ممکن ہے ظہور حسین گیلانی صاحب کے فلمساز نے ریکارڈ ٹوٹنے کی اطلاع ملتے ہی کہا ہو جب تمہیں پتہ تھا کہ کئی دن مسلسل شوٹنگ کرنے سے یہ ٹوٹ جائے گا تو مسلسل شوٹنگ کیوں کی؟ ممکن ہے اس نے ریکارڈ کیپر کو بلا کر ڈانٹا ہو کہ یہ سب تمہاری نا اہلی کی وجہ سے ہوا ورنہ اور بھی لوگ فلمیں بناتے ہیں کسی اور سے کیوں نہ ٹوٹا؟ آئندہ دھیان سے ریکارڈ لگانا۔ لیکن ہمیں تو خوشی ہوئی کہ ہمارے ایک ہدات کار نے 17 دنوں میں فلم مکمل کرکے فلمی دنیا میں ہمارا نام روشن کر دیا۔

صاحب فلم انڈسٹری ان لوگوں کے رہنے کے لیے بڑی اچھی جگہ ہے جو رہنا نہیں چاہتے۔
Sea Port کا اردو ترجمہ بندرگاہ ہے اور بندر نقل کرنے میں سب سے زیادہ شہرت رکھتا ہے سو فلم انڈسٹری تو ہمیں بندرگاہ ہی لگتی ہے جسے آپ See port کہہ سکتے ہیں۔
فلم کو مووی بھی کہتے ہیں۔ موو کا مطلب حرکت ہے اور ہدایت کار' فلمساز اور اداکاروں کی حرکتوں کو مووی کہتے ہیں۔ فلموں میں تیز رفتاری ہمیں خود اس قدر پسند ہے کہ ہم اپنی اکثر فلمیں فاسٹ فارورڈ کرکے دیکھتے ہیں یوں بھی ہمیں جلدی اس قدر پسند ہے کہ ہم تو دیر کرنے میں بھی ہمیشہ جلدی کرتے ہیں' ہالی وڈ میں تو اس قدر تیزی سے فلمیں بنتی ہیں کہ اداکاروں کے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہوتا کہ وہ کپڑے پہن لیں۔
وہاں تیز رفتاری کا یہ عالم ہے کہ ایک ڈائریکٹر نے فلم کی کہانی ختم ہونے سے پہلے

پہلے فلم کی شوٹنگ مکمل کرلی۔ شکر ہے ظہور گیلانی صاحب نے ہماری فلم انڈسٹری کو بھی اس تیز رفتاری کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کیا۔ ظہور حسین صاحب کے سکول آف تھاٹ کا تو ہمیں پتہ نہیں کیونکہ ایک بار کسی نے ہدایت کار یونس ملک سے پوچھا آپ کا سکول آف تھاٹ' انہوں نے کہا گورنمنٹ پرائمری سکول گوالمنڈی۔ بہرحال اتنا پتہ ہے ظہور حسین گیلانی سے پوچھو دن میں کتنے گھنٹے ہوتے ہیں تو کہیں گے چوبیس پان' ان سے تو یہ پوچھو کہ آپ کی فلم کی تکمیل پر کتنی مدت لگے گی تو کہیں گے ڈیڑھ ہزار پان لگ چکے ہیں ڈیڑھ دو سو اور لگیں گے لیکن کام اتنا مگن ہو کر کرتے ہیں کہ پان منہ میں ڈال کر کھانا بھول جاتے ہیں۔ فلم رائٹر سید نور نے بھی فلم میں تیزی کو رواج دیا تھا۔ ایک فلمساز نے ان سے سکرپٹ لینا تھا کہا شام کو لے لیں۔ فلمساز نے کہا دو فلمیں اکٹھی چاہئیں صبح تک' کہا خرابی کے باعث یہ ممکن نہیں۔ پوچھا کیا آپ کی صحت خراب ہے! جواب ملا نہیں میں تو ٹھیک ہوں وی سی آر میں خرابی ہے۔ پہلے شاید فلمیں اس لیے دیر سے بنتیں کہ ایسی ہیروئنیں تھیں جن کی نقل و حمل میں دیر لگتی' ہوسکتا ہے آپ کہیں کہ ان کی نقل و "حمل" دیر کا باعث تھی تو ہدایت کار شادی شدہ ہیروئنیں کاسٹ ہی کیوں کرتے تھے؟ ہمارے ہاں فلم شروع تو فلمساز کرتا ہے' ہدایت کار اسے آگے بڑھاتا ہے اور سلطان راہی اس کا "اینڈ" کرتا ہے کیونکہ فلم کے جس کردار کا رائٹر اور ڈائریکٹر سے خاتمہ نہ ہو سکے اس کا سلطان راہی ہی کرتا ہے۔ اتنے اداکاروں کو فلموں میں ہدایت کار شوٹ نہیں کرتے جتنے سلطان راہی صاحب "شوٹ" کردیتے ہیں۔ اگرچہ اب تو سلطان راہی صاحب کی سکرپٹ میں اتنی لائنیں نہیں ہوتیں جتنی ان کے چہرے پر ہیں۔

آرٹ فلم کا تو ہمارے ہاں رواج ہی نہیں۔ احمد بشیر صاحب نے "نیلا پربت" بنائی کسی نے پوچھا آپ کی فلم پر کتنا رش پڑا۔ کہا پہلے دن تو کوئی نہ آیا۔ مگر دوسرے دن رش ذرا کم ہوگیا۔ "نیلا پربت" اتنے اونچے معیار کی فلم تھی کہ اس کی اونچائی سے

گر کر فلساز زخمی ہو گیا بہرحال اس فلم میں اور کوئی خوبی ہو نہ ہو یہ ضرور تھی کہ دیکھنے سے ختم ہوجاتی۔ ایسے ہی ظہور حسین کی فلم میں یہ خوبی تو ہے کہ اس پر صرف

17 دن لگے زیادہ وقت نہیں لگا۔ 1959ء میں ان انشاء پہلی بار ڈھاکہ گئے تو کمیونسٹ پارٹی کے دفتر میں ٹھہرائے گئے۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک صاحب آئے اور کہا آپ حیران ہوں گے یہ ساری عمارت صرف دو ماہ میں بنی۔ ابن انشاء نے کہا بھئی کمال ہے! جونہی وہ گئے تو ایک صاحب آ گئے اور فرمانے لگے آپ یقین کرسکتے ہیں یہ عمارت دو ماہ میں بنی۔ تو ابن انشاء نے تنگ آکر کہا واقعی یقین نہیں کرسکتے کہ اس پر دو ماہ لگ سکتے ہیں۔ کیا ان کام چور انجینئروں اور مزدوروں کو کوئی سزا ملی۔ لیکن ہمیں ظہور حسین گیلانی صاحب کی صلاحیتوں پر اس قدر اعتماد ہے کہ ہمیں لگتا ہے انہیں اسٹوڈیو فارغ نہیں ملے ہو سکتا ہے اداکار دوسرے سیٹوں پر مصروف رہے ہوں پھر ہماری فلم انڈسٹری میں اتنی تیکنیکی سہولتیں بھی میسر نہیں ورنہ وہ اس فلم پر اس سے بھی کم دن لگاتے پھر انہوں نے صرف "دن" ہی تو لگائے ہیں۔ یوں بھی جے کے جٹرنن نے کہا ہے جلدی کرنے میں سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس میں وقت بہت لگتا ہے اگرچہ لوگ ہماری بات کا جلدی جلدی صرف اسی وقت اعتبار کرتے ہیں جب ہم اپنی بد تعریفی کررہے ہوں تاہم اس فلم میں ہمیں یہ خوبیاں نظر آئیں۔

1- - - - - - - - -
2- - - - - - - - - -
3- - - - - - - - - -
4- - - - - - - - - -

مزید اس وقت ذہن میں نہیں آ رہیں بقول کومین ہم یہی کہہ سکتے ہیں یہ ایک طویل مگر چھوٹی فلم ہے۔

○○○

• جوتا فیم

فیم وہ افیم ہے جس کا نشہ جسے اچھا نہیں لگتا' یقین کرلیں وہ نشے میں ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ شہرت کے لیے کام نہیں کرتا تو یقین کرلیں اس کا اشارہ شہرت بخاری صاحب کی طرف ہوگا ورنہ شہرت کی خاطر لوگ شادی تک کرنے پر اتر آتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست کو مہمان خصوصی بننے کا شوق تھا بڑی ختم کرنے والی شاعری شروع کی کہا برا بھلا شعر کہہ ہی لیتا ہوں ہم نے کہا واقعی جب شعر کہتے ہو یہی لگتا ہے برا بھلا کہہ رہے ہو۔ اس قدر نرم دل تھا کہ کسی کو تکلیف میں نہ دیکھ سکتا اس لیے مشاعروں میں آنکھیں بند کرکے شعر سناتا۔ گلوکاری شروع کی تو ہم نے اسے محلے داروں کے جھرمٹ میں پایا۔ پوچھا محلے میں اتنے پاپولر کیسے ہوئے۔ کہا ایک فقرے سے۔ پوچھا کونسے فقرے سے؟ بولے میں محلے والوں کو کہا' جب میں اکیلا ہوتا ہوں تو گانے سے دل بہلاتا ہوں۔ تب سے محلے والے مجھے اکیلا نہیں چھوڑتے۔ لیکن آخر کار انہیں ایک تقریب میں قائم مقام مہمان خصوصی بنا ہی لیا گیا وہ تقریب ان کی شادی کی تھی لیکن کچھ لوگ اتنے خوش قسمت ہوتے ہیں کہ سوئے اٹھتے ہیں تو خود کو مشہور پاتے ہیں۔ اگر چہ کہتے ہیں جو شخص سویا ہوا اٹھے اور خود کو مشہور پائے یقین کرلیں وہ سویا ہوا نہیں تھا بہر حال ڈی سی گوجرانوالہ بھی انہی خوش قسمت افراد میں سے ہیں۔ وہ ایک دن مسجد گئے چند منٹ بعد واپس آئے تو جہاں جوتے رکھ کر گئے تھے وہاں جوتے تو نہ ملے شہرت مل گئی۔ یوں وہ ملک میں جوتے کے زور پر مشہور ہوگئے۔ ہمارے ہاں اگر کوئی کہے کہ میں نے سال سے جوتے نہیں بدلے تو دوسرا یہی سمجھتا ہے کہ یہ ایک سال سے مسجد نہیں گیا۔ پھر مسجدوں میں بندہ دوران نماز جوتے آگے رکھے تو نماز نہیں ہوتی پیچھے رکھے تو جوتے نہیں ہوتے۔ ویسے تو گوجرانوالہ ایسا شہر ہے کہ وہاں کے لوگ

شہرت زور بازو سے ہی حاصل کرتے ہیں ہر آدمی کا یا تو باپ پہلوان ہوتا ہے یا بیٹا۔
ایسے ہی ایک پہلوان نے دوسرے سے کہا کہ " تم میرے والد کو نہیں جانتے؟" تو

دوسرا بولا "یہ تو آپ کو جاننا چاہیے" وہ اپنی بات کے اس قدر پکے ہوتے ہیں کہ وہاں
کے ایک کونسلر پہلوان کو ایک اڈے سے 1000 روپے ہفتہ ملتا تھا پہلوان جی نے دھمکی
دی کی رقم دگنی کرو ورنہ۔ ۔ ۔ ۔اب وہ پہلوان ڈبل یعنی 2000 روپے لیتے ہیں پندرہ
دنوں کے۔ وہ کسی ایسی چیز کو غور سے دیکھتے ہی نہیں جسے کھا نہ سکیں۔ صبح صبح سری
پائے کی دکان پر سری کو یوں گھور رہے ہوتے ہیں جیسے سری دیوی کو دیکھ رہے ہوں۔
وہ اگر جوتے کو غور سے دیکھیں تو اس کی وجہ بھی یہی ہو گی کہ جوتے کھائے بھی
جاسکتے ہیں۔ امریکی صحافی جان کھیسز نے 1962ء میں لکھا تھا کہ ماسکو دنیا کا وہ شہر
ہے جہاں اگر مارلن منرو بھی گلی سے گزر جائے اور اس نے کچھ نہ پہنا ہوسوائے جوتوں
کے۔ تو لوگ اس کے پاؤں کو ہی گھوریں گے لیکن گوجوانوالہ میں صرف اسے گھور
کر دیکھتے ہیں جس کے پاؤں میں جوتا ہو نہ ہو مگر اس کے ہاتھ میں جوتا ہو۔ گوجرانوالہ
میں ایک بار ہمارے دوست جوتا خریدنے گئے۔ پہلوان دکاندار نے جو جوتا دکھایا دوست
نے کہایہ جوتا تنگ ہے پہلوان صاحب بولے غلط' جوتا تنگ نہیں اس میں تمہارا پاؤں
تنگ ہے۔ بات بڑھی تو پہلوان نے تنگ آکر جوتا گلی میں پھینک دیا جس سے میرے
دوست کی ٹانگ ٹوٹ گئی کیونکہ وہ جوتے میں تھا۔

ہمیں اپنی جس پہلی تحریر پر پیسے ملے وہ جوتے پر ہی تھی۔ یہ وہ خط تھا جو ہم نے گھر
والوں کو جوتے خریدنے کے لیے پیسے منگوانے کے لیے لکھا۔ جوتے سے انسان کی شخصیت
بنتی ہے یقین نہ آئے تو تھانے سے پتہ کرلیں۔ خواتین مشہور ہونے کے لیے ایڑھی
چوٹی کا زور لگانے کے لیے زنانہ جوتے پہنتی ہیں؟ جہاں تک ڈی سی اور جوتوں کا تعلق
ہے ہمیں اتنا یاد ہے چھٹی جماعت میں ہم ڈی سی اور اے سی کرنٹ کا فرق معلوم
کرنے کے لیے تجربہ کررہے تھے بجلی کا ایسا جھٹکا لگا کہ ہم اب تک ربڑ کے جوتے پہنے

بغیر کسی ڈی سی اور اے سی کو نہیں چھوتے لیکن ہو سکتا ہے ڈی سی صاحب نے وہاں جوتے اس لیے اتارے ہوں کہ جب تک انہیں اتارا نہ جائے کوئی کام نہیں ہوتا لیکن ہم خوش ہیں انہیں جوتے تو نہ ملے لیکن شہرت مل گئی اس کالم سے مطلب وہ نہ لیں جو کے جی بی کے چیف کے جوتے گم ہونے پر اخبار "پراودا" کی اس خبر سے لیا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ جس کے پاس جوتے ہوں وہ چیف کو خود ہی پہنچا دے۔ اگلے دن پورا ماسکو ہاتھوں میں جوتے لیے چیف صاحب کو تلاش کر رہا تھا۔

○○○

• پینٹ بمقابلہ لاچا

کئی دہائیوں کی دہائی کے بعد ایک صحافی نے یہ راز پا ہی لیا کہ آخر ڈاک لیٹ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ ان کے انکشاف کے مطابق اس کی وجہ محکمہ ڈاک نہیں بلکہ شلوار ہے جو محکمے کے سارے وار شل کردیتی ہے اور ان نے محکمے کو ست کر دیا ہے سو محکمہ ڈاک کے آفیسرز آج کل ملازموں کے لیے چست پینٹ اور بش کوٹ کا انتظام کر رہے ہیں۔

ہم ڈاکئے کے اس وقت کے معترف ہیں جب وہ کبوتر ہوتا تھا اور اس کی مدح میں میڈم نو جہاں نے یہ گانا گایا تھا "واسطہ ای رب دا توں جانویں وے کبوترا" اردو پر ڈاکیے کا اتنا بڑا احسان ہے کہ ڈاکیا نہ ہوتا تو تمام عاشقوں کا اپنے محبوب اور اردو ادب سے رابطہ کٹ چکا ہوتا لیکن پھر حسینوں کے خطوط پہنچنے میں اتنی دیر لگنے لگی کہ اس مدت میں حسینوں کے خطوط ڈھلنے لگتے۔ ایئر میل سے مراد لوگ وہ ڈاک لینے لگے جو ہوا ہو جاتی ہے ہماری ایک عزیزہ کو بیٹے کی پیدائش پر کسی کی مبارک کا خط اس وقت ملا جب وہ بیٹا خط کرانے حجام کی دکان پر گیا ہوا تھا کوئی کسی سے خط کی جمع پوچھتا تو اگلا خطاؤں بتاتا لیکن ہمیں کیا پتہ تھا کہ سب سستی شلوار قمیص کے باعث ہے یہ تو اچھا ہوا محکمہ ڈاک نے تیزی دکھائی اور ڈاکیوں کو پینٹ کے ساتھ بش کوٹ بھی دینے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکیوں کے پاس شور کوٹ اور کوٹ ادو پہلے سے ہی موجود ہیں۔

اگرچہ ہم سے پوچھا جائے کہ لباس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو ہم یہی کہیں گے پہننا چاہیے' ہالی وڈ میں تو ایک تنظیم نے معروف اداکارہ کو ڈریس شو میں 1990ء کا ایوارڈ دیا جس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ انھوں نے سارا سال لباس پہنا یہ وہ اداکارہ تھی جس کے بارے میں پہلے سے مشہور تھا کہ وہ ہر پارٹی میں پارٹی کے حساب سے ڈریس اپ ہوتی ہے یعنی میرج پارٹی پر میرج سوٹ' ایوننگ پارٹی میں ایوننگ سوٹ'

ڈنر پارٹی میں ڈنر سوٹ' اسی لیے لوگ اسے ہمیشہ برتھ ڈے پارٹی میں ہی بلاتے ہیں۔ البتہ مردوں کا عریاں لباس وہ ہوتا ہے جس کی جیب سب کو صاف نظر آئے سو ڈاکیے ہمارے ہاں سب سے عریاں لباس پہنتے ہیں بلکہ ان کی قمیصوں کو جیبیں نہیں لگی ہوتیں جیبوں کو قمیصیں لگی ہوتی ہیں یہی سوٹ انہیں سوٹ کرتا ہے۔ ہم نے ایک بار سستا سوٹ خریدا تو اس میں کوئی جیب نہ تھی۔ ہم نے دکاندار سے کہا تو اس نے کہا اس سوٹ میں اس لیے جیب نہیں لگائی کہ جس کے پاس جیب میں ڈالنے کے لیے کچھ ہوگا وہ اتنا سستا سوٹ کیوں خریدے گا؟ بہرحال ڈاکیوں کے پاس سال کے 365 دنوں میں ہر دن کے لیے ایک سوٹ ہوتا ہے اور یہی ایک سوٹ وہ 365 دن پہنتے ہیں۔ ویسے قمیص میں تو انہوں نے جیبیں ہی پہنی ہوتی ہیں سو بش کوٹ کی بجائے باربرابش کوٹ بھی ہو تو ہمیں اعتراض نہیں مگر ہم پینٹ کے حق میں نہیں' چست پینٹ دیکھ کر تو لگتا ہے پینٹ پہنی نہیں ٹانگوں پر پینٹ کی ہوئی ہے یہ تو جسم کی جلد سے بھی زیادہ ٹائٹ ہوتی ہے۔ آپ پوچھیں گے جسم کی جلد سے ٹائٹ کیسے ہوسکتی ہے؟ تو صاحب جس کی جلد میں آپ باآسانی اکڑوں بیٹھ سکتے ہیں جبکہ چست پتلون میں بیٹھ جائیں تو سوئی دھاگے کے سہارے کے بغیر اٹھ ہی نہیں سکتے۔ ہمارے خیال میں تو لاچا اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ ایسا ائیر کنڈیشن لباس کہاں ملے گا؟ پینٹ کی تو کوئی شخصیت ہی نہیں اوپر سے واحد نیچے سے جمع' جب کہ لاچا تو پنجابیوں کی طبیعت کی طرح کھلا ہوتا ہے۔ لاچے کا پینٹ سے کیا جوڑ۔ پھر یہ وہ واحد لباس ہے جس میں کوئی جوڑ نہیں ہوتا' اسے سلوانا بھی نہیں پڑتا یہاں تک کہ پہنا ہو تو اتارنا بھی نہیں پڑتا' پینٹ کا کیا بھروسہ کب تنگ ہو جائے لیکن لاچے سے آپ تنگ ہو جائیں گے مگر یہ کھلا ہی رہے گا۔

پینٹ پہن کر لوگ دفتروں میں سو جاتے ہیں ان کو اٹھانا اسی طرح ممکن ہے کہ ان کو ہلانے کے لیے ایک علیحدہ ملازم رکھا جائے لیکن اس ملازم کو جگانے کے لیے ایک اور بندہ رکھنا پڑے گا سو ان کو بیدار اور چست رکھنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ لاچے

کو نافذ العمل کیا جائے۔ جس نے لاچا پہنا ہو وہ سب کے سامنے سو ہی نہیں سکتا کیونکہ اسے سونے سے پہلے بھی باندھنا پڑتا ہے او اٹھنے سے پہلے بھی۔ پھر ایسا کثیر المقاصد کہ سردیوں میں بکل مار لو تو ہیٹر۔ گرمیوں میں گیلا کرکے اوڑھ لو تو ایئر کولر۔ نیچے بچھا لو تو دری' اس میں خط ڈال لو تو لیٹر بکس' پینٹ کا اس سے کیا مقابلہ! پھر پینٹ پہنی جاتی ہے' لاچا پہنا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے آپ اعتراض کریں کہ پینٹ میں جیب ہوتی ہے اس میں نہیں ہوتی' حالانکہ لاچے کی جیب (ڈب) سے محفوظ تو کوئی لا کر بھی نہیں جب تک لاچا نہ کھل جائے یہ جیب نہیں کھلتی بلکہ لاچا تو پورا ڈاک خانہ ہے جس میں آپ ڈاک اور ڈاکیا دونوں لپیٹ سکتے ہیں۔ یہ لباس لڑائی جھگڑے کم کرنے کے کام بھی آ سکتا ہے کیونکہ لڑائی میں دوسروں کو سنبھالنا آسان اور اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر یہ خوبی دنیا کے اور کس لباس میں ہو گی کہ آپ اس سے جو لباس چاہیں بنالیں یعنی دل چاہے تو اس سے شلوار قمیص حتیٰ کہ پینٹ بنا لیں لیکن کسی لباس کو ادھیڑ کر لاچا نہیں بنایا جا سکتا۔ ہمیں امید ہے کہ محکمہ ڈاک پینٹ پر لاچے کو ترجیح دے گا اور ایسا ہی اعلان کرے گا جو آئرلینڈ کے محکمہ ڈاک نے کیا تھا' جسے ملازموں کی پہلی وردی پسند نہ آئی وہ اعلان یہ تھا "محکمہ نئے ڈیزائن کی یونیفارم تیار کرے گا۔" یہ یونیفارم پہلی وردی ہی کو ادھیڑ کر بنائی جا رہی ہے۔ جب تک آپ کی نئے ڈیزائن کی یونیفارم سل رہی ہے آپ پہلی وردی ہی پہنیں۔

○○○

• ماما ازم

اپنی تو املا شروع ہی سے ایسی ہے کہ ایک اداکارہ نے کہا " میں امریکہ میں ایک عرب خاوند کے ساتھ رہ رہی ہوں "تو ہم نے لکھ دیا امریکہ میں ایک ارب خاوند کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ جس پر اتنی ڈانٹ پڑی کہ ارب پتی کو بھی عرب پتی لکھنے لگے مگر پھر اس وقت گڑبڑہوئی جب ہمیں یہ خبر لکھنا تھی کہ حکومت نے ہزاروں نوجوان لڑکیوں کی شادی کے لیے خصوصی فنڈ سے دو ارب مختص کردیئے۔ پچھلے دنوں ہم پر ایسے مسئلے سے دو چار تھے' ہم نے اقوام متحدہ کے جنرل سکیرٹری ڈاکٹر بطروس گالی لکھا تو ہمارے دوست نے کہا یہ دراصل ڈاکٹر بطروس غالی ہیں۔ یہ تو کسی بے وقوف سے بھی پوچھ لوتو بتا دے گا۔ ہم نے کہا پھر آپ بتائیں! بولے اس کا مطلب تم عربی نہیں جانتے۔ ہم نے کہا ہم تو عربی جانتے ہیں مگر آپ ڈاکٹر بطروس کو نہیں جانتے۔ بولے اب تو گالی پنجابی کا لفظ ہے۔ کیونکہ میاں طفیل محمد صاحب نے پنجابی کو گالیوں کی زبان قرار دیا ہے۔ تم اسے غیر پنجابی کے نام کے ساتھ کیسے لگا سکتے ہو؟ اب ہم اسے کیا بتائیں کہ اگر میاں طفیل محمد صاحب نے ذاتی طور پر ایک زبان کو اس کام کے لیے رکھ لیا ہے تو ہم اس بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں۔ گالیاں نکالنا اطفال کا کام ہے یہاں اطفال کو آپ طفیل کی جمع نہ سمجھ لیں۔ میاں صاحب سو اس عمر میں ہیں جس میں بندہ گالی بھی دے تو سننے والا سمجھتا ہے دعا دے رہا ہے۔ طبیعت میں اس قدر اصلاح ہے کہ حضرت داتا گنج بخش کی کتاب کا ترجمہ کیا تو ساتھ ساتھ داتا صاحب کی اصلاح بھی کرتے گئے۔ مگر وہ ایسے ڈینٹسٹ کی طرح ہیں جو مریض کا منہ کھلوانے کے لیے اسے گالی سناتا ہے۔ سو انھوں نے پنجابی زبان کو گالیوں کی زبان قرار دے دیا حالانکہ ان کا اپنا حافظہ ایسا ہے کہ دس منٹ پہلے کسی بندے نے انہیں گالی دی ہو تو بھول جائیں گے کہ کس بندے نے نکالی۔ اگر بندہ یاد ہو گا تو یہ بھول جائیں گے کہ اس نے

گالی دی۔ ایک بار کسی دوست کے ہاں آٹھ بجے جانا تھا نو بجے گئے اور معذرت کرنے لگے تو میزبان نے کہا معذرت تو ہمیں کرنا چاہیے کیونکہ ابھی 8 بجنے میں 11 گھنٹے ہیں۔

لہجہ ایسا کہ وہ بول اردو رہے ہوتے ہیں لوگ سن پنجابی رہے ہوتے ہیں۔ "دستر خوان بچھاؤ" کہیں تو سننے والا کہے گا دس ترکھان کہاں سے لاؤں۔ اپنی اردو میں پنجابی الفاظ یوں استعمال کرتے ہیں جیسے سیاست دان عوام کو کیا کرتے ہیں۔

گالی وہ گولی ہے جو ہم منہ سے چلاتے ہیں۔ دنیا میں سب سے پہلا ایٹم بم اس نے گرایا جس نے پہلی بار گالی دی۔ تمام زبانیں اس اسلحے سے لیس ہیں۔ آج تک ہم نے جس کتاب میں سب سے زیادہ گالیاں لکھی پڑھیں وہ ڈکشنری ہے۔ دنیا میں اتنے فحش الفاظ کسی اور کتاب میں نہ ملیں گے جتنے اس میں ہوتے ہیں۔ اب تو آپ کو پتہ چل گیا ہو گا کہ مشتاق احمد یوسفی کی پسندیدہ کتاب ڈکشنری کیوں ہے؟ بہرحال فقیر' محبوب اور انگریزی کی گالی پر جو برامانے وہ اچھا نہیں ہوسکتا اور پنجابی کی گالی پر جو برا نہ مانے وہ اچھا نہیں ہوسکتا۔ گالی دینا ایک فن ہے۔ غالب کو کسی نے ماں کی گالی دی تو انہوں نے کہا کیسے بد ذوق اور احمق لوگ ہیں' انہیں تو گالی دینے کا سلیقہ نہیں کہ بچے کو ہمیشہ ماں کی گالی دیتے ہیں۔ نوجوان کو بہن اور بیوی کی جب کہ بوڑھے کو بیٹی کی گالی دی جاتی ہے۔ ویسے اگر زبانوں کے حساب سے دیکھا جائے تو انگریزی ہمیں بڑی بدتمیز زبان لگتی ہے۔ جس کا اس سے ہی اندازہ لگائیں کہ یہ شروع ہی "اے" سے ہوتی ہے۔ کسی بزرگ کو اے کہہ کر بلا کر تو دیکھیں خود ہی پتہ چل جائے گا کہ گالی کیا ہوتی ہے مگر انگریزی میاں صاحب کو پہلے ہی غلام دستگیر خان کی طرح نا پسند ہے۔ خان صاحب سے کسی نے پوچھا آپ انگریزی کیوں نہیں بولتے: تین وجوہات ہیں۔ ایک تو میں انگریزی بولوں گا تو انگریز لگوں گا' دوسری یہ کہ میں کس کے ساتھ انگریزی بولوں زیادہ ارکان اسمبلی تو زیادہ پڑھے لکھے نہیں اور تیسری وجہ یہ ہے کہ مجھے انگریزی آتی نہیں۔

جس نے ساری زندگی گالی نہیں دی اس پر ہمیں ترس آتا ہے۔ ظاہر ہے ایک گونگے

پر ترس ہی آسکتا ہے۔ دنیا کی جس زبان میں گالی نہیں یہ وہ ہے جس کے بارے میں لاہوریئے صبح صبح سری پائے کی دکان والے سے پوچھتے ہیں۔ "زبان ہے؟"

گالیوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ یہ سکھانا نہیں پڑتیں۔ آپ بچوں کو منع کرتے ہیں مگر وہ بالغ ہونے سے پہلے یہ بلیغ ہوجاتے ہیں بلکہ جب فلمیں نہیں ہوتی تھیں تو بچے گالیاں سن سن کر ہی بالغ ہوتے تھے۔ شاید میاں صاحب نے پنجابی کو اسی لیے گالیوں کی زبان کہا ہو کہ ہم پنجابی اپنے بچوں کو یہ زبان سکھاتے نہیں بلکہ انہیں ٹوکتے ہیں کہ وہ اردو یا انگریزی میں بات کریں لیکن وہ پھر بھی ادھر ادھر سے پنجابی سیکھ لیتے ہیں لیکن اب انہوں نے اسے گالیوں کی زبان کہہ ہی دیا ہے تو ہم یہ سوچ کر ڈر رہے ہیں کہ ہم جو آج تک ان سے پنجابی دعا سلام کرتے رہے کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم انہیں گالیاں دیتے رہے ہوں۔ شاید وہ اسی لیے پنجابی پر گرم ہوں۔ پیر پگاڑا صاحب نے بھی کہاہے دنیا میں دو ہی ماموں ہیں اوپر چندا ماموں اور نیچے طفیل ماموں اور وہ میاں صاحب کے خیالات کو ماما ازم کہتے ہیں اور پنجابی میں ماما بھی گالی ہی ہے۔

○○○

• EGG SAMINER

ہم نے ابھی خبر پڑھی ہے کہ کمرۂ امتحان میں انگریزی کے پرچے کی جگہ طلبہ کو اردو کا پرچہ دے دیا گیا جس پر طلبہ نے احتجاج کیا۔ صاحب ہمارے خیال میں تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ جو کام حکومت نہ کر سکی وہ محکمہ امتحانات نے کر دیا یعنی انگریزی کی جگہ اردو کو رائج کردیا۔ ہمیں امید ہے کہ محکمہ امتحانات مزید حب الوطنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میڈیکل کے پرچوں کی بجائے بھی اردو کے پرچے دے گا ویسے بھی جب بیماری انگریزی سے اردو آتی ہے تو وہ اتنی بیماری نہیں رہتی۔ خود ہی دیکھ لیں جو تکلیف HEARTPAIN میں ہے وہ درد دل میں کہاں

"درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو"

اگرچہ طریقہ امتحان کے بارے میں ہماری یہی رائے ہے کہ ایسا طریقہ ہو کہ امتحان نہ ہو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم امتحانات سے ڈرتے ہیں بلکہ امتحان توہمیں اتنے بھاتے کہ جو امتحان دوسرے صرف ایک بار ڈرتے ڈرتے دیتے جاتے ہم اس کے لیے بھی بار بار جاتے۔ بچپن ہی سے ہمیں پتہ ہے کہ مور' ممتحن' اور مرغی انڈے دیتے ہیں سو آج بھی ہم سے اگزامیز کے سپیلنگ پوچھے جائیں تو منہ سے EGGSAMINER ہی نکلتا ہے ہم امتحان سے ہفتہ پہلے ہی مکمل تیاری کرلیتے یعنی نہا دھو کر کپڑے پہن کر بیٹھ جاتے تاکہ عین وقت پر ہمارے ساتھ بھی گیانی کرتار سنگھ کی طرح نہ ہو۔ انہیں مشرقی پنجاب کی نئی وزارت کے رکن کے طور پر حلف اٹھاناتھا۔ ان دنوں وہ شملہ میں ایک دوست کے ساتھ بنگلے میں رہ رہے تھے۔ گیانی جی نے سوچا کیوں

نہ نہا لیا جائے حالانکہ وہ غسل خانے کو غسل کھانا کہتے۔ ایک بار تو انہیں ایک کمرے میں بکری کے ساتھ گزارنا پڑی کسی نے صبح پوچھا رات کو بدبو کی وجہ سے کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا! کہا پہلے ہوا مگر پھر بکری اڈجسٹ کرگئی۔ سو ان کے دوست کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ گیانی جی غسل خانے میں ہوں گے اس نے سوچا وہ حلف برداری کے لیے جاچکے ہیں۔ سو وہ بنگلہ باہر سے مقفل کرکے چلا گیا۔ تب سے گیانی جی کے سپورٹرز غسل خانوں کے خلاف ہیں۔ بہرحال ہم کبھی کسی کمرہ امتحان میں لیٹ نہ گئے ایک بار لیٹ گئے تو ممتحن نے کہا اٹھ جاؤ یہ بھی کوئی لیٹنے کی جگہ ہے۔ اتنے امتحانات دینے کے باوجود ایک خواہش تھی کہ ہم سے انگریزی کا امتحان اردو میں لیا جائے سو وہ اب جاکے محکمہ امتحانات نے پورا کیا۔ ممکن ہے کہ یہ سب محکمہ تعلیم کی نقل کم کرنے کی مہم کا حصہ ہو کہ طلبہ کو پتہ ہی نہ چلنے دیا جائے گا کہ صبح اردو کا پرچہ ہے یا انگریزی کا۔ وہ الجبرے کا امتحان دینے آئیں' آگے سے انہیں امور خانہ داری کا سوالنامہ تھما دیا جائے۔ یوں طلبہ کو نہ یہ پتہ ہوگا کہ صبح کونسا پرچہ ہے اور نہ وہ ساتھ نقل کا مواد لاسکیں گے مگر اتنا سرپرائز نہیں ہونا چاہیے جیسا ہمارے دوست رفعت کے ساتھ ہوا: ہمیں پتہ چلا وہ میڈیکلی ان فٹ قرار دیئے گئے ہیں۔ ہم نے وجہ پوچھی تو بولے نام کی وجہ سے مجھے میڈیکل چیک اپ کے لیے وہاں بھیج دیا گیا جہاں زنانہ میڈیکل چیک اپ ہو رہا تھا سو مجھے میڈیکلی ان فٹ تو ہونا ہی تھا۔
ایک چینی شاعر کی نظم ہے جس کا آزاد ترجمہ یوں ہے:

"اے خدا میرا بیٹا تعلیم میں اتنا اعلیٰ نہ ہو کہ وزیر اعلیٰ نہ ہو"

ہمارے وزیر اعلیٰ صاحب تعلیم میں خصوصی دلچسپی لیتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے طریقہ امتحانات کو بہتر بنانے کے لیے ممکن ہے امتحانات زبانی لیے جائیں۔ ہوسکتا ہے میرٹ پر وہ ارکان

اسمبلی کا امتحانات میں پاس کوٹہ بھی مقرر کر دیں تاہم زبانی امتحان پر ایسے اعتراض اٹھیں گے۔ ایک معروف اداکارہ کی بیٹی کو زبانی امتحان کے لیے بلایا گیا بڑی سفارش تھی' ممتحمن نے سوچ سوچ کر سب سے آسان سوال یہ پوچھا بیٹی آپ کے والد کا نام کیا ہے؟

تو ساتھ بیٹھی اس کی ماں بولی آپ بے بی سے اتنے مشکل سوال تو نہ پوچھیں۔ ہمارے ایک وفاقی وزیر کے بیٹے سے پوچھا گیا کہ پاکستان کا صدر مقام کہاں ہے؟ کہا صفحہ نمبر 87 پر۔ ممتحن نے اس کے والد کو یہ بتایا تو والد صاحب بولے کوئی بات نہیں بچہ ہے صفحہ آگے پیچھے ہو گیا ہو گا۔ سچی بات ہے ہمیں خود زبانی سوالوں سے ڈر لگتا ہے پبلک سروس کمیشن کے امتحان میں ہم سے پوچھا گیا' امریکہ کا صدر مقام کہاں ہے؟ ہم نے کہا ساری دنیا میں۔ ہم نے تو اس پر بھی اعتراض کیا کہ دنیا گول ہے' اگر گول ہے تو پھر اس کے چار کونے کیوں ہیں؟ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ ریفل سیونگ ٹکٹوں کی طرح امتحانات کا نتیجہ بھی قرعہ اندازی سے نکالا جائے جس میں نہ صرف نقل اور قبضہ گروپ کی حوصلہ شکنی ہو گی بلکہ حکومت اپنی ضرورت کے حساب سے تعلیمی نتائج حاصل کر سکا کرے گی اور امتحانات کے انعقاد پر ہونے والا خرچہ بھی بچے گا۔

○○○

• پشہ ور

محکمہ صحت نے منادی کرادی کہ مچھروں کو اپنے گھروں میں داخل نہ ہونے دیں۔ دروازوں' کھڑکیوں' اور روشن دانوں پر جالی لگوائیں۔ ہم نے تو احتیاط" بغیر اجازت اندر داخل نہ ہونا منع ہے کا بورڈ بھی لگوادیا ہے۔ چراغ حسن حسرت لکھتے ہیں کنشک جو بڑا مشہور راجہ گزرا ہے' اس نے پشاور میں مچھروں کے بڑے بڑے تالاب بنارکھے تھے۔ اس زمانے میں یہ شہر پشہ ور اور راجہ پشہ پرور(مچھر پال) کے لقب سے مشہور تھا۔ آگے چل کر یہ پشاور بن گیا۔ اس راجہ نے بھی ایسا فرمان جاری کر رکھا تھا کہ رات کو دروازے بند رکھیں تاکہ مچھر راستہ بھول کر آپ کے گھر نہ آجائیں۔ محکمہ صحت کی وجہ سے ہمارے ہاں صحت بہتر ہو گئی ہے۔ جی ہاں مچھروں کی صحت بہت بہتر ہو گئی ہے۔ ویسے بھی فی زمانہ جتنے مچھر قوالوں کی تالیوں سے مر جاتے ہیں اتنے محکمے کی ڈی ڈی ٹی سے نہیں مرتے۔ کہتے ہیں قوالوں کا ایسا کرنا دراصل مچھروں سے ان کی پیشہ ورانہ رقابت کانتیجہ ہے۔ ویسے ہم نے گاتے ہوئے بڑے بڑوں کو بے سرے ہوتے دیکھا ہے مگر کسی مچھر کو کبھی بے سرا نہیں پایا۔ پھر مچھر کا گانا وہ پہلا گیت ہے جس پر رقص کیا گیا۔ آج تک ہم نے کسی کو مچھر کا گانا اچھلے کودے بغیر سنتے نہیں دیکھا۔ آج کل ہر محکمہ اپنے کام بذریعہ اشتہار کرتا ہے۔ سو ممکن ہے کل محکمہ صحت یہ اشتہار دے کہ ہر کوئی اپنے دروازے پر یہ لکھ کر لگوائے کہ یہاں مچھروں کا داخلہ ممنوع ہے تاکہ کہیں مچھر غلطی سے داخل ہو کر مارے نہ جائیں۔ انگریزی میں مچھر کو "ماس کیٹو" کہتے ہیں حالانکہ ہمیں تو یہ اردو ہی لگتا ہے۔ ماس کیٹو یعنی ماس کاٹنے والا۔ ہمیں مچھر اسی لیے اچھے لگتے ہیں کہ اس دنیا میں عریانی او ننگے پن کے خلاف جتنی مہم انہوں نے چلائی کسی اور نے کیا چلائی ہو گی؟ آج بھی مغرب میں کوئی عورت پورے لباس میں نظر آئے تو یہ سب مچھروں کے ڈر کی وجہ سے ہے۔ اسی وجہ سے مغرب

میں مچھر دانی زنانہ لباس کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ پھر ہمارے ہاں کے مچھر تو اس نسل سے ہیں جس نے نمرود جیسے ظالم کو ختم کیا۔ کم از کم ان کی صحت اور حوصلے سے تو یہی لگتا ہے۔ مچھروں کو وہی پسند ہے کہ جس پر اردو شاعر جان دیتے ہیں یعنی گھنی سیاہ زلفیں۔ مچھر اور مرد سفید بالوں کی طرف نہیں جاتے۔ استاد ذوق تک نے بادشاہوں کے علاوہ کسی کا قصیدہ لکھا تو وہ مچھر ہی ہیں۔

پشے سے سیکھے شیوۂ مردانگی کوئی
جب فصد خوں کو آئے تو پہلے پکار دے

شاید محکمہ صحت مچھروں کے لیے اتنے اتنے بڑے اشتہار اس لیے دے رہا ہے کہ آخر مچھروں کی رگوں میں انہی کاخون دوڑ رہا ہے۔ فلوریڈا یونیورسٹی میں آج کل سائنس دان اس پر ریسرچ کررہے ہیں کہ مچھر آخر اپنے پسندیدہ افراد کو ہی کیوں کاٹتے ہیں؟ حالانکہ اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ مچھروں کی رگوں میں انسانی خون ہوتا ہے سو ان میں انسانی عادات آنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ مچھروں کے کام بھی لیڈروں والے ہوتے ہیں۔ یعنی آپ کو خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں۔ پھر جس قصبے اور گاؤں میں مچھر زیادہ ہوجائیں چوریاں کم ہوجاتی ہیں کسی کو سونے دیں گے تو اس کی چوری ہو گی۔

ایک ڈاکٹر نے ہمیں بتایا کہ مچھر کی وجہ سے ملیریا ہوتا ہے جس کے باعث پڑھائی میں میرا سال ضائع ہو گیا۔ پوچھا کیا آپ کو امتحان کے دنوں میں ملیریا ہو گیا تھا؟ کہا نہیں امتحان میں پروفیسر صاحب نے مجھ سے ملیریے کے بارے میں سوال پوچھے تھے۔ ملیریا مادہ مچھر کے کاٹنے سے ہوتا ہے۔ مادہ مچھر کی پہچان یہ ہے کہ وہ بھی موٹی ہوتی ہے اگرچہ موٹاپا تو ہے ہی ایک زنانہ موضوع' وزن بھی دراصل و۔ ۔ ۔ ۔ زن ہے و کا مطلب اورجب کہ زن عورت کو کہتے ہیں یعنی مزید عورت۔ بہرحال آپ کو مادہ مچھر کو پہچاننے

کی ضرورت نہیں وہ خود ہی آپ کو پہچان لے گی۔ البتہ محکمہ صحت کے اشتہار میں جالی کا ذکر ہے۔ اس سے قبل مچھر دانی سے یہی کام لیا جاتا تھا یعنی اس میں جو مچھر ایک بار داخل ہوجاتا پھر وہ باہر نہ نکل سکتا۔ یہاں جالی سے مراد وہ مچھر دانی ہے جسے گھر والوں کی بجائے گھر اوڑھتا ہے۔ ویسے ہمیں تو یہ جالیاں بیچنے والی کسی کمپنی کا اشتہار لگتا ہے' جس میں محکمہ صحت صرف ماڈلنگ کر رہا ہے۔

○○○

- **میرا گالا اے دلدار**

آپ اس عنوان سے یہ نہ سمجھیں کہ میں دلدار بھٹی کے بارے میں لکھنا چاہ رہا ہوں۔ ویسے بھی ان کا رنگ ایسا ہے کہ جس محفل میں ہوں اس کو رنگین بنا دیتے ہیں لاس اینجلز (Los Angeles) کے بارے میں لکھنا چاہ رہا ہوں جو آج کل لوس انجلز (Los Angeles) بن چکا ہے۔ یہ وہ شہر ہے جس کے بارے میں ایک بار ھب کین نے لکھا تھا کہ میں لاس اینجلس گیا اور سارا دن اسے ڈھونڈتا رہا مگر وہ مجھے کہیں نہ ملا۔ وہاں تو باپ بیٹا بھی ایک دوسرے سے ملیں تو پہلی بات یہی کہیں گے "لگتا ہے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھاہے؟" وہاں دولت کی Rat Race لگی رہتی ہے اور ریٹ ریس کا اس سے بڑا نقصان اور کیا ہو گا کہ اس میں جو جیت جائے وہ بھی ریٹ ہی رہتا ہے۔ کہتے ہیں لاس اینجلس میں آپ آنکھیں بند کرکے جس کو بھی ہاتھ لگائیں گے وہ کالا ہی ہو گا جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ آپ آنکھیں کھول کر بھلا کالے کو کیوں ہاتھ لگائیں گے' ہمارے ہاں تو "خاکی" ہی سیاہ و سفید کا مالک ہے لیکن وہاں تو رات کو اندھیرا بھی کالا سفید ہوتا ہے۔ لاس اینجلس میں آپ کو گورے بیٹھے ہوئے نظر آئیں گے اور کالے ان کے لیے کھڑے۔ وہاں گورے بلیک کے ساتھ میل رکھنا اتنا ہی برا سمجھتے ہیں جتناہم بلیک میل کرنا۔ اگر کوئی گورا کسی کالے کو سنے تو یقین کرلیں وہ اس کا گانا سن رہا ہو گا۔ کہتے ہیں کالوں کے گانے اور گالیاں تو بہرے بھی خوش ہو کر سنتے ہیں شاید وہ سن کر اپنے بہرے ہونے پر خوش ہوتے ہوں گے ویسے بلیک سنگر کا کیسٹ رنگین ہو کے بھی بلیک ہوتے ہوئے ہم نے خود دیکھا ہے۔

جیمز بالڈوں نے جب کہا کہ جلد کی رنگت دیکھ کراندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ کون کالا ہے؟ تو لاس اینجلس میں یہ مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ کیسے پتہ چلایا جائے فلاں کالا ہے' کسی سیانے کالے نے کہا اگر تم کسی شخص کو رولز رائس میں بیٹھا دیکھو تو یقین کرلو

کہ وہ کالا نہیں ہے بشرطیکہ وہ شوفر نہ ہو' اسمبلی میں مشہور ہے کہ کالے رکن خود کلامی کرتے ہیں' ایک گورے رکن اسمبلی نے کہا میرے ساتھ والا کالا رکن اسمبلی میں خود کلامی کرتا ہے مگر وہ یہ سمجھتا ہے میں اس کی بات سن رہا ہوں۔

امریکہ وہ ملک ہے جو اس وقت خلائی شٹل تیار کرہا تھا جب ہمارے ہاں صرف شٹل کاک برقعے تیار ہوتے تھے۔ خلائی تحقیق میں تو امریکی خلا باز خدا تک پہنچنے کی کوشش کررہے ہیں ویسے ہمارے لیے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ہمارے تو صدر ضیاء الحق اور جنرل اختر عبدالرحمان بذریعہ ہوائی جہاز خدا تک پہنچ بھی چکے ہیں۔ اتنی ترقی کے باوجود امریکہ صرف ایک کالے کو گورا کرسکا اور وہ ہے مائیکل جیکسن جس نے چہرے کی جلد پلاسٹک سرجری سے گوری کر لی لیکن وہ بھی کہتا ہے میں پیدائشی کالا نہیں جب میں پیدا ہوا تو گورا تھا مگر ہسپتال میں نرس کی غلطی سے مجھے کالے سے بدل دیا گیا۔

مارٹن لوتھر کنگ کو بھی بالاخر یہ کہنا پڑا کہ "میں کسی گورے کا برادر تو بن سکتا ہوں بردر ان لاء نہیں" یوں کالوں اور گوروں میں کوئی قانونی رشتہ نہ بن سکا۔ لاس اینجلس میں کسی سے پوچھو لیگل کسے کہتے ہیں؟ تو جواب ملے گا امریکہ کے قومی پرندے کو' امریکی عدالتوں میں ایک دوسرے پر روزانہ جتنے کیس ہوتے ہیں ہمارے ہاں تو روز اتنے ڈلیوری کیس نہیں ہوتے لیکن عدالتیں ہمیشہ کالے دھن کالے کرتوتوں' کالے چوروں اور کالوں کے خلاف ہی فیصلہ دیتی ہے۔ یہی نہیں ہمارے ہاں تو سزا بھی ہوتی ہے کہ برے کا منہ کالا کرکے اسے گدھے پر بٹھا کر یوں پھرایا جاتا ہے کہ اکثر لگتا ہے یہ سزا اس بندے کو نہیں گدھے کو دی جارہی ہے۔ ہم تو کہتے ہیں اگر لاس اینجلس جیسے حادثوں سے بچنا ہے تو عدالتیں سفید کرتوتوں اور سفید چوروں کے خلاف بھی فیصلہ دیں آخر برے کا منہ سفید کرکے اسے گلیوں میں کیوں نہیں پھرایا جاتا۔

- **واحیات**

رکن اسمبلی سکندر حیات ملہی صاحب نے ابھی یہ مطالبہ ہی کیا تھا کہ اراکین اسمبلی کو گرلز کالجوں میں معاینے کی اجازت ہونی چاہیے' لیکن گرلز کالجوں کے ارد گر منڈلانے

والے نوجوانوں اور بے شمار بے روزگاروں نے آئندہ الیکشن لڑنے کی تیاریاں بھی شروع کردیں۔ یہی نہیں اس کے لیے کام بھی شروع کردیا۔ افریقہ کے قبائل میں ایسے ہی ایک سردار نے کہا عورتیں اور مرد اکٹھے رہنے کی وجہ سے کام نہیں کرتے۔ سو اس نے قبیلے کے مردوں کو ایک جزیرے اور عورتوں کو الگ جزیرے پر بھیج دیا۔ اسی روز سے قبیلے کے تمام افراد دن رات کام کرنے لگے۔ جی ہاں رات دن کشتیاں بنانے میں جت گئے۔ سو نوجوانوں کو گرلز کالجوں کے اندر جانے کی امید نظر آئی ہے تو وہ بھی الیکشن کی تیاریاں کرنے لگے ہیں۔ ہم تو سکندر حیات کے اس مطالبے پر اس لیے بھی خوش ہیں کو چلو اسی بہانے اراکین اسمبلی کو تعلیمی اداروں میں جانے کا موقع تو ملے گا۔ ہم تو سمجھتے ہیں بندے کوعلم حاصل کرنا چاہیے' چاہے اس کے لیے گرلز کالج میں ہی کیوں نہ داخل ہونا پڑے۔ گوجرانوالہ میں ہمارے ایک رکن اسمبلی کو کالج میں انعام دینے کے لیے بلایا گیاتو کالج کا ماحول دیکھ کروہ اتنے خوش ہوئے اور کہا میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی میٹرک کر ہی لوں۔ اگرچہ سکندر حیات صاحب خود ایسے ہیں کہ پوچھو سکول کونسا پسند ہے؟ کہیں گے جو بند ہو۔ یادداشت ایسی کہ آپ ملیں تو کہیں گے آپ کا نام یاد آ رہا ہے مگر آپ کی صورت یاد نہیں آرہی۔ سکول میں استاد نے ایک بار کہا آپ پر الزام ہے کہ آپ ذہین ہیں۔ کہتے ہیں سکول میں سب سے زیادہ حاضریاں ہونے پر انہیں انعام کا حقدار قرار دیا گیا۔ جس دن یہ انعام دیا گیا اس دن موصوف غیر حاضر تھے۔ دروغ بر گردن راوی ایک بار انہوں نے گرلز کالج کی پرنسپل کو خط لکھا تو انہوں نے جواب میں یہ کہا "جہاں جہاں عبارت پڑھی جاتی ہے ہجے غلط ہیں" تاہم

تعلیمی اداروں سے ان کی محبت میں کمی نہیں آئی۔ انھوں نے کہا ہے کہ چونکہ ہم عوام کے خادم اور ذمہ دار ہیں اس لیے ہمیں گرلز کالجوں میں معاینے کی اجازت ملنی چاہیے۔ جہاں تک ذمہ دار ہونے کی بات ہے تو جو کچھ ملک میں ہو رہا ہے ہم تو انہیں ہی ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔

سکندر حیات صاحب نے بوائز کالجوں کا ذکر نہیں کیا ویسے بھی بوائز کالجوں میں بندہ چار دن جا کے بے کار بیٹھے تو طلبہ' استاد سمجھ کر سلام کرنے لگتے ہیں۔ ہمارے ہاں وہ کالج جس کے گیٹ پر لڑکوں کا رش ہو گرلز کالج کہلاتے ہیں۔ تمام بوائز کالجوں اور ہوسٹلوں کے راستے گرلز کالجوں کے سامنے سے گزرتے ہیں۔ ایک بار مقامی کالج کے سامنے موٹر سائیکلوں پر گھومنے والے لڑکوں پر سختی کی گئی جس سے بڑی مشکل پیش آئی۔ جی ہاں لڑکیوں کو گھر آنے جانے میں مشکل پیش آئی۔ اس سے پہلے گرلز کالجوں کا سیاست دانوں کے ہاں یہی استعمال تھا کہ گوجوانوالہ کا ایک مقامی لیڈر چودھری ادھر علی ادھر ساری رات گرلز کالج کی دیواروں پر یہ لکھتا رہتا کہ چودھری ادھر علی ادھر کو رہا کرو۔ انتظامیہ روز مٹاتی مگر اگلے دن پھر لکھا ہوتا۔ یہاں تک کہ انتظامیہ کو نوٹس لکھ کر لگوانا پڑا کہ ہم یقین دلاتے ہیں کہ چودھری ادھر علی ادھر یہاں بند نہیں ہے۔ البتہ جو وزیر بن جاتے ہیں وہ گرلز کالجوں میں اندر تک آ جاتے ہیں۔ ایک ایسے وزیر لاہور کے ایک گرلز کالج میں سائنسی مصنوعات کے ماڈلز اور نئی بنی چیزوں کی نمائش سے واپس آئے تو ایک بے تکلف صحافی نے پوچھا: "کس کی بنائی ہوئی چیزیں سب سے زیادہ پسند آئیں۔" کہا: "خدا کی" اب عام اراکین نے بھی گرلز کالجوں میں جانے کی اجازت مانگ ہی لی ہے تو ہمیں لگتا ہے کہ اس پر سب سے زیادہ مخالفت اراکین کی بیگمات کی طرف سے ہو گی۔ ہم یہ بھی نہیں لکھتے کہ اراکین گرلز کالجوں کے معاینے کے لیے جاتے وقت اپنی بیگمات کو لازماً ساتھ لے جائیں۔ کیونکہ اراکین پہلے ہی یہ کہتے ہیں کہ ہم ہمیشہ ان کے خلاف ہی لکھتے ہیں۔ بہرحال سکندر حیات صاحب کو "پھر" سے یہ موقع ملنا چاہیے۔ جیسے نپولین نے ایک قربان گاہ پر دیکھا کہ بارہ چاندی کے مجسمے ہیں۔

پتہ چلا یہ ان راہبوں کے ہیں جو عمر بھر عوام کے خادم رہے اور لوگوں کے کام آتے رہے۔ نپولین نے خوش ہو کر کہا ان کو ڈھال کر سکے بنادو تا کہ یہ دوبارہ دو دو ٹکے ہو کے لوگوں کے کام آسکیں۔ اگرچہ یہ واضح نہیں کیا گیا کہ روزانہ وہاں جانے کی اجازت ملنی چاہیے یا کبھی کبھی۔ ملتان کے نواحی قصبے میں بیالوجی کے پروفیسر کو لیکچر دینے کے لیے گرلز کالج جانا پڑا۔ کیونکہ وہاں اس مضمون کی خاتون استاد نہ تھی۔ گرلز کالج کی پرنسپل نے بڑا سخت ٹائم ٹیبل دیا ہے تو ہم نے کہا کیا ہفتے میں ہر روز آنے کا پابند کیا ہے؟ کہا نہیں یہ پابند کیا ہے کہ آپ ہفتے میں صرف ایک روز آئیں گے۔ بہرحال الکحل اور حکومت سب حل کر دیتی ہے اور حکومت یہ مسئلہ بھی حل کر ہی دے گی لیکن ہم ان ملکی حالات میں ایسے مطالبہ پر سکندر حیات صاحب کو یہی کہہ سکتے ہیں بھئی واحیات۔

○○○

• ساز۔۔۔و۔۔۔سامان

یہ مانا کہ موسیقی صحت کے لیے اتنی ضروری ہے کہ خرابی صحت کو طبیعت ناساز یعنی ساز کے بغیر طبیعت کہتے ہیں پھر بھی جب ہم اخبار میں پڑھتے ہیں کہ فلاں والدین نے بیٹی کو جہیز میں بڑا سازو سامان دیا سو سامان کی بات تو سمجھ میں آجاتی ہے مگر یہ پلے نہ پڑتا کہ والدین ساتھ ساز کیوں دیتے ہیں یہی بات اس وقت بھی ہمارے ذہن میں آئی جب پتہ چلا کہ غلام اسحاق خان ایوان صدر سے اپنا ساز و سامان پشاور منتقل کررہے ہیں لیکن استاد شیر افگن نیازی صاحب نے انکشاف کر دیا کہ غلام اسحاق خان صاحب جب بچے تھے تب بھی انہیں موسیقی سے بڑا لگاؤ تھا۔ اگرچہ اس بیان میں ہمارے لیے تو یہ انکشاف ہے کہ غلام اسحاق خان بچے بھی ہوتے تھے۔ بزرگ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک اپنی طرح کے اور دوسرے اور طرح کے۔ غلام اسحاق خان اور طرح بلکہ صرف طرح والے بزرگ ہیں۔ یہ اس وقت بھی بزرگ تھے جب ابھی آج کے بزرگ بچے تھے۔

موسیقی کے بارے میں ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ اس کے بارے میں اتنا نہیں جاننا چاہیے۔ کچھ کے نزدیک دنیا کے شور میں سب سے قیمتی شور موسیقی کا کہلاتا ہے۔ بہرحال ہم سمجھتے تھے سیاستدانوں کو صرف اداکاری کا ہی شوق ہوتا ہے۔ ہمارا پسندیدہ ٹی وی ڈرامہ "خبرنامہ" ہوتا ہے کہ اس کی کاسٹ میں ملک کے تمام کامیاب اداکار شامل رہتے ہیں اگرچہ ناکام ہونے والے بھی بڑے اداکار ہوتے ہیں بلکہ اکیڈمی ایوارڈ میں توسب سے بہترین اداکاری ہارنے والوں کی ہی ہوتی ہے' اس وقت جب وہ جیتنے والوں کو مبارک باد دے رہے ہوتے ہیں۔ ہم نے اخباروں سے جو لاعلمی حاصل کی اس کے مطابق صرف چند سیاستدانوں کو گانے پسند ہیں البتہ گانے والے کو پسند کرنااور بات ہے۔

پیر پگاڑا صاحب کافی کو کافی پسند کرتے ہیں ان کی کافی بلیک ہوتی ہے۔ سن رہے ہوں تو ایسا منہ بناتے ہیں جیسے کافی سن نہیں رہے پی رہے ہیں۔ نوابزادہ صاحب کو موسیقی

میں قوالی پسند ہے جس کی وجہ سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ قوالی واحد گیت ہے جو "اتحاد" بنا کر گایا جاتا ہے وہ بھی یوں کہ کسی ایک کی آواز بھی صاف سنائی نہ دے۔ گانوں کی اے بی سی قوالی کہلاتی ہے۔ لیکن کلاسیکل گانا تو وہ گانا ہے جسے سننے کے لیے بھی بڑا ریاض کرنا پڑتا ہے۔ غلام اسحاق خان صاحب نے وہ کام کئے ہیں جو ہمارے گذشتہ دور بھی نہ کرسکے ان میں سے ایک کلاسیکل موسیقی کو پسند کرنا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں موسیقی سے لطف اندوز نہ ہونے کے لیے موسیقی کا بڑا علم ہونا چاہیے البتہ لطف اندوز ہونے کے لیے صرف کان چاہئیں۔ غلام اسحاق خان کی تو زبان بھی کان ہے وہ بھی سونے کی کان۔ ان کی خاموشی بڑی بلند آہنگ ہوتی ہے۔ وہ صرف منہ بند کرنے کے لیے ہونٹ ہلاتے ہیں جب صدر تھے تو دو بار منہ کھولا دونوں بار اسلام آباد کے ایک ڈینٹیسٹ ڈاکٹر کے کلینک پر جس پر ڈاکٹر بہت خوش ہوا خیر ڈینٹسٹ کا تو کام ہی دانت نکالنا ہوتا ہے۔ غلام اسحاق خان صاحب کے دانت 79 سال کی عمر میں ایسے مضبوط تھے کہ وہ اخروٹ' اسمبلی اور بادام توڑ لیتے۔ ان کے پروفائل میں سب سے نمایاں فائل ہی ہوتی۔ وزیر خزانہ تھے تو ہر نوٹ پر لکھتے پھر ہر پر نوٹ لکھنے لگے۔ اس عمر میں بہترین یادداشت اس کی ہوتی ہے جس کو دوسرے کی برائیاں اور اپنی نیکیاں یاد نہ رہیں مگر انہیں تو یہ بھی یاد ہوتا ہے کہ انہیں کیا بھولنا ہے۔ ان کے پاس کلاسیکل موسیقی کے ایسے ریکارڈ ہیں جنہیں لگایا ہو تو دوسرے یہی سمجھتے ہیں موسیقی کا ریکارڈ لگایا جارہا ہے۔ موسیقی میں سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔ ویسے بھی جو بات موسیقی میں نہ کہی جاسکے وہ اس قابل نہیں ہوتی کہ کہی جائے جب سے ہم نے غلام اسحاق خان صاحب کو کلاسیکل موسیقی باقاعدہ سننے کا پڑھا ہے' ہم بھی پڑھتے وقت اسے سننے لگے ہیں جس کا یہ فائدہ ہوا ہے کہ جب بھی ہم نے اس موسیقی کو لگایا ہو مہمان نہیں آتے او پھر باہر کا شور ہمیں ڈسٹرب نہیں کرتا۔

کلاسیکل موسیقی کے ایک مظاہرے میں ہم بھی گئے ہم سے پہلے ہی ایک استاد سٹیج پر مظاہرہ کر رہے تھے۔ ہم آخر تک پوچھتے رہے کہ یہ کس کے خلاف مظاہرہ کررہے

ہیں۔ ہو سکتا ہے غلام اسحاق خان اس لیے کلاسیکل موسیقی کی محفلوں میں جاتے ہوں کہ زیادہ رش والے مقامات پر جانا ان کے لیے ٹھیک نہیں بہرحال ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ غلام اسحاق خان جیسا کم گواور ٹھنڈے مزاج کا ہونے کے لیے کلاسیکل موسیقی سنتے رہنا ضروری ہے۔

○○○

- # صدام سنڈروم

ہمارے ہاں غیر حاضر دماغ ہونا بڑی صفت ہے جو اکثر بڑے پڑھے لکھے لوگوں اور پروفیسر صاحبان میں ہوتی ہے۔ صاحب! ٹیچنگ اچھا پروفیشن ہے بس اس میں مسئلہ یہ ہے کہ کبھی کبھی کلاس بھی پڑھانا پڑتی ہے اور اصل پروفیسر وہی ہوتا ہے جسے یہ یاد نہ ہو کہ وہ کلاس پڑھانے جارہا ہے یا پڑھا کے آرہا ہے۔ ہمارے اپنے پروفیسر صاحب ایک دن کہنے لگے ہیں صبح چھتری لے جانا بھول گیاتھا۔ ہم نے پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلا کہ آپ چھتری لے جانا بھول گئے۔ کہا: بارش کے بعد جب میں نے چھتری بند کرنے کے لیے ہاتھ اوپر کیا تو وہاں نہ تھی۔ ایک تازہ خبر کے مطابق یہ پروفیسرانہ صفت خلیج کی جنگ میں شرکت کرنے والے امریکی فوجیوں میں پائی جارہی ہے۔ امریکہ کے ذہنی امراض کے ماہر ڈاکٹر جو ذہنی امراض کا بیس سالہ تجربہ رکھتے ہیں ان کی شکل دیکھ کر تو لگتا ہے ان امراض میں مبتلا ہونے کا بیس سالہ تجربہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس صفت کو بیماری قرار دے کر اس کا نام "ڈیزرٹ سٹارم سنڈروم" رکھ دیا ہے۔ کہتے ہیں ڈاکٹر او بیماری کا تو دن رات کا ساتھ ہوتا ہے ویسے یہ ضروری بھی نہیں کچھ ڈاکٹر غیر شادی شدہ بھی ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف جو مرض کو مرضی کا مونث سمجھتے ہیں ان کے مطابق ڈیزرٹ سٹارم سنڈروم میں مبتلا لوگوں کی یادداشت اتنی کمزور ہوجاتی ہے کہ انہیں اتنا بھی یاد نہیں ہوتا کہ پچھلے ہفتے وہ زندہ تھے بھی یا نہیں۔

امریکہ کے بارے میں ہماری وہی رائے ہے جو امریکہ کی ہمارے بارے میں ہے لگتا ہے انہوں نے حافظہ کمزور ہونے کو بیماری قرار دے کر دراصل ہمیں بیمار کہا کیونکہ ہمارے عوام میں یہی تو خوبی ہے کہ وہ بہت جلد بھول جاتے ہیں۔ ہمارے ایک سیاستدان جن کا تعلق ملک کے بڑے بڑے شوہروں میں ہوتا ہے وہ اپنے حلقے سے دوبارہ جیتے تو ہم نے پوچھا "آپ اس لیے جیتے ہیں کہ آپ نے اپنے حلقے میں جو کام کئے وہ عوام

کو یاد تھے" کہا "یاد نہیں تھے اسی لیے تو جیتا" ہمیں خود یہ بات نہیں بھولتی کہ ہماری یادداشت بہت کمزور ہے۔ ہم نے یادداشت تیز کرنے والی دوالی لیکن افاقہ نہ ہوا کیونکہ دوائی کھانا یاد نہ رہتا۔ امریکی خواب نہیں دیکھتے جس کی وجہ تو یہی ہے کہ وہ ایک بیدار قوم ہے اور خواب سوئے ہوئے لوگوں کو آتے ہیں۔ امریکی بہت کم بیمار ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کسی کے پاس بیمار ہونے کیے لیے وقت ہی نہیں۔ امریکہ بزنس اوربزی نس کا نام ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ڈیزرٹ شارم سنڈروم کی علامات میں بتایا ہے کہ بندے کی یاد داشت ختم ہو جاتی ہے اور پھر زندگی ختم ہو جاتی ہے اس سے تو لگتا ہے کہ یہ فوجی جس مرض میں مبتلا ہیں وہ بڑھاپا ہے۔ بڑھاپے میں یادداشت کا یہ حال ہوتا ہے کہ گوجرانوالہ کے ایک خلیفہ پہلوان کہتے ہیں مجھے یاد ہی نہیں رہتا کہ میں کھانا کھا کے بیٹھا ہوں یا کھانا کھانے بیٹھا ہوں۔ وہ کھانا کھا رہے ہوں تو یہ نہیں کہتے کہ بس اب پیٹ بھر گیا ہے یہ کہتے ہیں بس اب میں تھک گیا ہوں۔ پھر امریکہ میں اپنی خامیوں کو بھول جانا یادداشت کی خرابی نہیں البتہ انہیں یاد رکھنا یادداشت کی خرابی ہے۔ جہاں تک مرنے کا تعلق ہے تو ہر کوئی مرتا ہے البتہ نہ مرنا حیرانی کی بات ہوسکتی ہے امریکی تو کولمبس کے بارے میں بھی حتمی طور پر اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ مرچکا ہے ہم سمجھتے ہیں امریکی فوجی جس بیماری میں مبتلا ہیں وہ صدام ہے۔ امریکی صدام اور جذام کا شرطیہ خاتمہ چاہتے ہیں۔ شرطیہ علاج ویسے ہمارے ہاں ہی ہوتا ہے۔ فیصل آباد کے ایک ڈاکٹر نے شرطیہ کہا کہ ہفتے کے علاج سے عینک چھڑا دوں گا۔ واقعی ایک ہفتے کے بعد علاج کروانے والے نے عینک لگانا چھوڑ دی کیونکہ اب اسے عینک کے ساتھ بھی نظر آنا بند ہو گیا تھا۔ جہاں تک یادداشت کا تعلق ہے تو امریکی فوج خلیج کی جنگ میں شرکت سے پہلے بھی ایسے ہی تھے جب خلیج کی جنگ شروع ہوئی تو ایک امریکی فوجی نے کہا تھا میں لڑنے کے قابل نہیں ہوں کیونکہ میں بھول جاتا ہوں۔ یہاں آنے سے پہلے اپنے گھر میں تھا تو بھی بھول گیا۔ پوچھا "کیا بھول گئے؟"

کہا "گھر میں ٹھہرنا بھول گیا" ویسے اگر بھول جانا مرض ہے پھر بھی کوئی اس میں مبتلا نہ ہو گا جو ہو گا وہ بھول جائے گا کہ وہ اس میں مبتلا ہے ویسے بھی اتنی احتیاطی تدابیر ایسے مریض کو نہیں کرنا چاہئیں ہوتیں جتنی ڈاکٹروں کو کرنا پڑتی ہیں۔ ماہر ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق مرض نسیان میں مبتلا شخص کا معائنہ کرتے وقت ڈاکٹر کو خصوصی احتیاط کرنا چاہیے اور وہ احتیاط یہ ہے کہ فیس ایڈوانس لے لینا چاہیے اور یہ احتیاط ہر امریکی سے برتنا چاہیے۔

○○○

- ## مملکت مجازی خداداد

کہتے ہیں دور کے ڈھول سہانے لگتے ہیں بشرطیکہ وہ اتنی دور ضرور ہوں کہ ان کی آواز سنائی نہ دے۔ ایسے ہی ہم ماسٹرز اینڈ جانسن کی کتابیں پڑھ پڑھ کر سمجھتے تھے ان سے خوش میاں بیوی تو کوئی دنیا میں نہ ہو گا۔ وہ یورپ جہاں کوئی پوچھے کہ طلاق سے بچنے کے لے کیا احتیاط کریں تو اگلا کہے گا شادی سے احتیاط کریں۔ وہاں ایک سروے کے مطابق پندرہ سالوں میں طلاق کی شرح 30 فیصد کم ہوئی تو ماہرین نے اس کی جو وجوہ بتائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ لوگ ماسٹرز اینڈ جانسن کی کتابیں پڑھتے ہیں اور دوسری وجہ یہ تھی کہ شادی کرنے کی شادی 30 فیصد کم ہو گئی ہے۔

جان ماسٹرز اور جانسن دونوں میاں بیوی ڈاکٹر ہیں ویسے ڈاکٹر سے شادی کرنے میں یہی قباحت ہے کہ بیوی طبیعت کی خرابی کا بہانہ نہیں کرسکتی۔ بہرحال ڈاکٹروں کی لکھی کتابیں اس قدر مفید ہوتی ہیں کہ ان کا پڑھنا ہی صحت کے لیے مفید نہیں نہ پڑھنا بھی صحت کے لیے مفید ہوتا ہے۔ ہم تو ڈاکٹر فضل الرحمان لاہور کے کلام کا نسخہ دکھا کر میڈیکل سٹور سے سر درد کی دوا لے لیتے ہیں جناب جان ماسٹرز اور محترمہ جانسن صاحبہ کی یہ دوسری شادی تھی۔ دوسری شادی کرنے میں ہمیشہ یہی مشکل رہی ہے کہ اس کے لیے بندے کا پہلے شادی شدہ ہونا ضروری ہے۔ محترمہ جانسن صاحبہ تاریخی خاتون ہیں اگرچہ تاریخ میں ان کی تاریخ سے زیادہ ان کے جغرافیہ کی تفصیل زیادہ ہے۔ دونوں میاں بیوی آپس میں کبھی نہ لڑتے یہ سمجھ نہیں آتی کہ اگر دونوں میں لڑائی ہی نہیں ہوتی تھی تو پھر وہ اتنا لکھنے کے لیے وقت کیسے نکال لیتے تھے۔ بہرحال جان ماسٹرز اپنے تحقیقی کام میں اتنے کھوئے رہتے ہیں کہ اپنی بیوی جانسن کے ساتھ یوں پیش آتے جیسے کسی اجنبی خاتون کے ساتھ پیش آرہے ہوں۔ شاید یہی ان کی خوشگوار ازدواجی زندگی کا راز

تھا۔ جانسن بھی ریسرچ میں اتنی مگن رہتیں کہ ماسٹرز کہتے کہ "دوران کار اکثر وہ میرے ساتھ اتنے اچھے طریقے سے پیش آتیں کہ مجھے یقین ہو جاتا کہ انہوں نے مجھے نہیں پہچانا۔" یاد رہے کہ یہاں دوران کار سے مراد اس دوران نہیں جب وہ کار میں ہوتے دونوں میاں بیوی کی کتابوں میں اس بات پر زور ہوتا کہ یہاں بیوی میں طلاق کی وجہ ذہنی ہم آہنگی کا نہ ہونا ہے جبکہ ان کی اپنی طلاق کی وجہ یہی ذہنی ہم آہنگی اور ملتے جلتے خیالات تھے جیسے ماسٹرز چاہتے کہ وہ صبح اٹھیں تو شریک حیات ناشتہ تیار کرکے لائے اور جانسن بھی یہ چاہتی۔

دنیا میں کوئی دو مرد ایک جیسے نہیں اور دونوں اسی بات پر خوش ہیں پھر بھی ہر ڈاکٹر چاہتا ہے کہ وہ جان ماسٹرز جیسا ہو۔ وہ اتنے بڑے آدمی ہونے کے باوجود اتنے سادہ اور نرم دل تھے کہ جانسن سے کسی نے پوچھا "آپ بیمار ہوتی ہیں تو یہ آپ کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں؟ کہا "بہت اچھا سلوک کرتے ہیں۔ یہ تو یوں پیش آتے ہیں جیسے ہمسائے ہوں۔" وہ ان کا بڑا احترام کرتیں کہتیں بچپن ہی سے میرے گھر والوں نے مجھے یہ سکھایا کہ بڑوں کا احترام کرو۔ اگرچہ اپنے بارے میں لکھنے میں یہ خرابی رہی ہے کہ اپنی خامی لکھو تو برا لگتا ہے' خوبی لکھو تو دوسروں کو برا لگتا ہے۔ لیکن ماسٹرز اینڈ جانسن اپنے بارے میں لکھتے رہے۔ لکھتے ہیں کہ اکثر میاں بیوی میں اس بات پر جھگڑا ہوتا ہے کہ اگر کوئی گڑبڑ ہو جائے تو میاں کہتا ہے یہ بیوی کا قصور ہے جبکہ بیوی میاں کا نام لگاتی ہے مگر ماسٹر اینڈ جانسن سے کوئی گڑبڑ ہوتی تو ان کا اس بات پر جھگڑا ہوتا میاں کہتا کہ یہ میرا قصور ہے جب کہ بیوی کہتی میرا ہے۔ ایک صحافی نے جان ماسٹرز سے پوچھا۔ سنا ہے ہر وقت آپ کا اپنے آپ پر کنٹرول ہوتا ہے۔ کہا نہیں ہر وقت اپنے آپ پر میرا کنٹرول نہیں ہوتا کبھی بیوی بھی میرے ساتھ ہوتی ہے۔ ماسٹرز اینڈ جانسن کی کتابیں مملکت مجازی خداداد میں وہی مقام رکھتی تھیں جو مملکت خداداد میں آئین اور قانون کی کتابیں۔ شادی سے نہ بچنے اور شادی بچانے کے لیے ڈاکٹرز ان کی ہی کتابیں استعمال کرتے ہیں۔ ویسے شادی بھی عجیب چیز ہے اس کے پہلے

ماہ بندہ سوچتا ہے میں نے شادی کرنے میں اتنی دیر کیوں کی اور پھر ہر ماہ یہی سوچتا ہے کہ شادی کرنے میں اتنی جلدی کیوں کی۔ ماسٹرز اینڈ جانسن کی طلاق سے یہ نتیجہ بھی

نکلتا ہے جو ویسٹ انڈیز کے کرکٹ کوچ نے نکالا تھا۔ ایک بار ٹیم کی ناقص بیٹنگ کرنے پر وہ غصے میں آکر میچ کے فوراً بعد ٹیم کو نیٹ پر لے آئے اور خود پیڈ باندھ کر بیٹنگ کرنے چلے گئے تاکہ کھلاڑیوں کو بیٹنگ کے بارے میں بتا سکیں۔ کافی دنوں سے آؤٹ آٹ پریکٹس تھے کئی مرتبہ آؤٹ ہوئے تو غصے سے باہر آئے اور پیڈ اتارتے ہوئے بولے یہ وہ طریقہ ہے جس طرح تم بیٹنگ کرتے ہو آئندہ اس طرح نہ کرنا۔ ہوسکتا ہے جان ماسٹرز بھی یہی کہیں کہ یہ وہ طریقہ ہے جو تم اپنی بیویوں کے ساتھ روا رکھتے ہو اوراس کا نتیجہ طلاق ہی نکلتا ہے۔

دونوں میاں بیوی کی کتابوں کا مفہوم اگر ایک فقرے میں دیا جائے تو وہ یہ ہو گا کہ میاں بیوی خوش گوار زندگی کیسے گزار سکتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں ہر طریقہ بڑے طریقے سے بتایا ہے ممکن ہے دونوں نے طلاق بھی لوگوں کو یہ بتانے کے لیے لی ہو کہ میاں بیوی کے لیے خوشگوار زندگی گزارنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔

○○○

- بچہ سقّہ

بچہ سقہ کے بارے میں تو کوئی سقہ بند تاریخ دان ہی حاتمی اور حتمی رائے دے سکتا ہے۔ ہم تو یقین سے یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ سب کچھ ہو گا مگر بچہ نہ تھا۔ بچہ ہونا کتنا مشکل ہے کسی گائنی کے ڈاکٹر سے پوچھیں۔ ایک معروف ادبی ڈاکٹر نے تو ایک بار کہا کہ میں بڑا ہو کر چھوٹا بچہ بننا چاہتا ہوں تب سے دانشور اسے بچہ سمجھنے بھی لگے مگر ہم سمجھتے ہیں حکیم سعید وہ دانشور ہیں جو بچے اتنا بچہ نہیں سمجھتے۔ ہم انہیں بچوں کا سکا سمجھتے ہیں مگر گورنر بن کر انہوں نے جو یہ بیان دیا کہ بچوں کو بھی اسمبلی میں نمائندگی ملنا چاہیے' اس سے تو کچھ اور ہی انکشاف ہوا ہے ایک انکشاف تو یہ بھی ہے کہ ہماری اسمبلی میں بچے نہیں ہیں۔

سیاست بچوں کا کھیل نہیں' بڑوں کا ہے۔ ہمارے ہاں بااصول سیاست دان اسے کہتے ہیں جسے جو ایک بار خرید لے پھر پانچ سال اسی کا ہو کے رہے۔ وہ جیب کی بجائے جیب سے بولتے ہیں۔ ہمارے ایک نورجہاندیدہ سیاست دان نے ایک بار کہا کہ جانوروں کا گفتگو نہ کرسکنا ان کی خوبی ہے اور موصوف کی گفتگو سن کر میں اس کا قائل بھی ہو گیا۔ اسمبلی میں بچے ساتھ لے جانے کی کبھی اجازت نہیں رہی کہ اس سے بچوں کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے۔ کچھ گھرانوں کو میں جانتا ہوں' جہاں آج بھی بچوں کو بالغوں کے لطیفے اور اسمبلی کی کاروائی پڑھنے کی اجازت نہیں۔ خیر یہ تو وہ گھرانے ہیں جو بند گوبی بھی پسند کریں گے تو اس لیے کہ یہ واحد باپردہ سبزی ہے۔ صاحب عورت کا تب پتہ چلتا ہے جب آپ کا اس سے عدالت میں آمنا سامنا ہو اور بچے کا تب جب وہ بچہ نہ ہو۔ ہمارے ہاں غریب گھروں میں اتنے بچے ہیں کہ کسی سے پوچھو کتنے بال ہیں؟ تو جو تعداد وہ بتائیں گے اس سے پتہ نہیں چلے گا کہ سر کے بال بتا رہے ہیں یا گھر کے۔ اگرچہ ہم بغیر بچوں کے دنیا کا تصور نہیں کرسکتے کیونکہ اربوں ٹیچر بے

روزگار ہو جائیں گے۔ آج کے بچے اتنے بچے نہیں ہیں' انہیں وہ سب میسر ہے جو ان کے والدین کو ان کے زمانے میں مہیا نہ تھا مثلاً ڈیپریشن' السر' آلودگی اور ٹینشن' جیسے گرلز گائیڈ میں سات سال سے لے کر ستر سال کی گرلز ہو سکتی ہیں۔ صرف لکھتے وقت گرلز چھوٹی جی کی بجائے بڑی جی سے لکھا پڑتا ہے' ایسے ہی اسمبلی میں ہر عمر کے بچے ہیں' بڑھاپا بھی تو دوسرا بچپن ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ بچپن کے دن مختصر اور سال طویل ہوتے ہیں جبکہ بڑھاپے میں دن لمبے اور سال مختصر ہونے لگتے ہیں۔ میڈونا نے ایک بار کہا تھا "مجھے بچے بہت پسند ہیں' خاص کروہ بچے جو اٹھارہ سال پہلے پیدا ہوئے۔" ایسے ہی ارکان اسمبلی سب بچے ہوتے ہیں لیکن تیس چالیس سال پہلے کے۔ بقول شخصے کسی خاتون افسانہ نگار کی جنس بدل جائے تو پھر بھی لوگ اسے سابق خاتون افسانہ نگار ہی کہتے ہیں' ایسے ہی جو ایک بار رکن اسمبلی بن جائے' پھر وہ توبہ تائب ہو کر اللہ سے لو لگالے پھر بھی لوگ اسے سابق رکن اسمبلی ہی کہیں گے۔ لیکن بندہ کئی سال بچہ رہتا ہے مگر کوئی اسے سابق بچہ نہیں کہتا' سابق گورنر میاں محمد اظہر کے دور میں گورنر ہاؤس گورنس ہاؤس بن گیاتھا' اتنے بچے انہیں دیکھے آتے کہ چڑیا گھر کی آمدنی آدھی رہ گئی' اب لگتاہے گورنر سندھ حکیم سعید آمدنی اور کم کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اب تو بچوں کو بھی پتہ ہے کہ پاکستان میں سب سے قیمتی گھوڑے کہاں پائے جاتے ہیں' ویسے ہم سوچتے ہیں ارکان اسمبلی کو گھوڑا ہی کیوں کہا جاتا ہے' اونٹ کیوں نہیں حالانکہ آج بھی اس کی کوئی کل سیدھی نہیں' شاید اونٹ اس لیے نہ کہتے ہوں کہ اونٹ پئے بغیر ایک ہفتہ گزار سکتاہے۔ ایک بار اطالوی آمر اور شہنشاہ کالیگولا نے اپنا گھوڑا سینٹ کا رکن بنادیا تھا' کسی نے کہا یہ کیا قانون سازی کرے گا' گھوڑے میں یہ صلاحیت نہیں کہ کسی کے ساتھ انصاف کر سکے تو کالیگولا نے کہا اس میں یہ صلاحیت بھی نہیں کہ کسی کے ساتھ نا انصافی کرسکے۔ بہرحال اب بچے بھی اسمبلی میں آئیں گے تو ہمیں ڈر ہے کہ بڑوں کی طرح شور مچانا اور لڑنا سیکھ لیں گے۔ ممکن ہے حکیم

صاحب بچوں کو اسمبلی میں لا کر ارکان کو خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہتے ہوں۔ بچہ تو گھر میں ایک ہی ہو تو اٹھنے کے لیے الارم کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر زیادہ ہوں تو ملک کے لیے آلارم ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے بچے اس پر احتجاج کریں کہ اگر ہمیں اسمبلی میں بھیجا جا رہا ہے تو پھر ارکان اسمبلی کو بھی سکول بھیجا جائے۔ حکیم صاحب کی تو رائے ہے اسمبلی میں بچے ارکان کو کاغذ وغیرہ پکڑا دیا کریں گے' دوران لڑائی ان کے جوتے ادھر ادھر ہوجائیں تو جوتے پیش کریں گے جس سے ان کی پارلیمانی تربیت ہوگی' جی ہاں ارکان اسمبلی کی۔ لیکن بچوں کی یعنی بچگانہ رائے یہ ہے کہ یہاں بھی معاملہ والدین جیسا ہوگا جو یہ ہے کہ بچوں کو والدین اس عمر میں ملتے ہیں جب ان کی تربیت نہیں ہوسکتی۔

○○○

• راگ زیڈال

ہم نے کلاسیکل موسیقی سنتے ہوئے بچوں کو جیسے منہ بناتے دیکھاہے اس سے ہمیں یہ شک تو تھا کہ موسیقی کا ذائقہ دوا جیسا ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ امریکی فوک سنگر اوڈیٹا نے 1980ء میں کہا تھا "میوزک وہ دوائی ہے جسے پینا بڑا ہی خوشگوار ہوتا ہے۔" سو ہم یہ سب پی گئے مگر ہم نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ ایک دن موسیقی کی کیسٹیں باقاعدہ میڈیکل سٹوروں پر بطور دوا بکیں گی۔ جاپان ایجاد کی ماں ہے۔ انہوں نے سر کے بال اگانے والے ٹانکوں کے ساتھ زیڈال کیسٹیں مارکیٹ کی ہیں۔ جنہیں سننے سے سر کے بال اگ آتے ہیں۔ جس سے بال نکلنے لگتے ہیں۔ ویسے تو ہم بھی جانتے ہیں کہ آج کل کے گانے سننے سے تھکاوٹ اترتی ہے۔ جی ہاں آپ پر تھکاوٹ اترتی ہے نورجہاں کے نور جہاندیدہ شوہر شوکت حسین رضوی صاحب نے ایک بار کسی کو کہا کہ میں تو رات کو نورجہاں سے گانے سن کر تھکاوٹ اتارتا ہوں۔ تو سننے والے نے کہا میں چھ سات لوگوں کو جانتا ہوں جو ایسا ہی کرتے ہیں' تو شوکت حسین رضوی غصے میں آ گئے' ویسے موسیقی ہمارے معاشرے کا "اٹوٹ انگ" ہے کٹر سے کٹر مولوی تک جب نقل مکانی کرتے ہیں تو یہی کہتے ہیں اپنا سازوسامان منتقل کررہا ہوں گویا سامان کا لفظ بعد میں پہلے ساز کا آتا ہے۔ گانا ہمارے ہاں اس قدر اہم ہے کہ بیگانہ یعنی بے گانہ نا واقف اور اجنبی کو کہتے ہیں تاہم اب تک موسیقی کا یہی فائدہ تھا کہ شرارتی بچوں کا اس سے یوں علاج کیا جاتا ہے کہ چپ کرکے سوجاؤ ورنہ ٹی وی پر راگ رنگ لگادیں گے۔ لیکن جاپانیوں نے سر کا سر ہی کرلیا اور دوا قرار دے دیا۔ شاید اس لیے وہ استاد نصرت فتح علی خان کو باقاعدہ ڈاکٹر لکھتے ہیں۔ بڑے استاد نصرت فتح علی خان تو جب بچے تھے تب بھی بڑے استاد تھے۔ جاپانی تو انہیں دیوتا کہتے ہیں ویسے ہندوستانیوں کی طرح انہیں بھی جس چیز کی سمجھ نہ آئے اسے دیوتا بنا لیتے ہیں۔

موسیقی کا درد سے بڑا رشتہ ہے۔ مہدی حسن گا رہے ہوں تو واقعی لگتا ہے انہیں درد ہو رہا ہے۔ وہ سر چھیڑتے ہوئے یوں منہ سے اشارہ کرتے ہیں کہ بندے ادھر ادھر دیکھنے لگتے ہیں کہ یہ کسے چھیڑ رہے ہیں؟ ہمیں گلوکار پٹھانے خان بہت پسند ہیں اس وقت تو اور بھی پسند ہیں جب وہ نہ گا رہے ہوں ان کے دانت نہیں سو واحد گلو کار ہیں کو منہ کھولے بغیر اپنی زبان باہر نکال سکتے ہیں۔ سو گاتے ہوئے ان کے منہ سے یہ نہیں لگتا ہے انہیں درد ہے بے درد لگتے ہیں۔ درد کے ہول سیل ڈیلر عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی ہیں ایک تقریب میں انہوں نے ایسا درد ناک گایا کہ کئی ڈاکٹر سیٹوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ گانا ختم ہونے پر انہیں پچاس ہزار روپے ملے۔ جس پر ایک گلوکار نے کہا یہ کونسی بڑی بات ہے مجھے گانا ختم کرنے کی اس سے بڑی آفر ہوئی ہے ملکہ ترنم نورجہاں کے گانے تو ہم دوستوں کو یہ کہہ کر سنواتے ہیں کہ اب آپ نورجہاں سے سر درد کی دوا سماعت فرمائیں۔ مگر کسی نے تحقیق ہی نہ کی کہ سر درد کے علاوہ موسیقی کا سر کے بالوں سے بھی تعلق ہے۔

جاپانی تحقیق کے مطابق گنجے وہ ہوتے ہیں جو موسیقی پر سر دھنتے ہیں مگر ہم حیران ہیں کہ جو موسیقی پر سر نہیں دھنتے پھر وہ گنجے کیوں ہوتے ہیں۔ موسیقار اعظم موزارت کی دھنوں میں بھی بال اگاؤ صلاحیت تھی۔ انہیں ایک بار گنجوں کی تقریب میں گانے کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے بہت معاوضہ طلب کیا؟ کسی نے وجہ پوچھی تو بولے "میں دیواروں کو سنانے کے اتنے ہی پیسے لیتا ہوں۔"

بال سر کا لباس ہوتے ہیں اس لیے "ٹنڈ" کو لوگ یوں ڈھانپتے ہیں جیسے ستر ڈھانپ رہے ہوں۔ بہرحال ہمارے خیال میں گنجا وہ ہوتا ہے جو اتنا سر بلند ہو کہ اس کا سر اپنے بالوں سے اوپر نکل جائے۔ اصل گنجا سر وہ ہوتا ہے جس پر ہاتھ پھیرا جائے تو لگے ہاتھ پر سر پھیرا جا رہا ہے۔ میوزک میں یہی خامی ہے کہ اسے چھوا نہیں جا سکتا' سونگھ بھی نہیں سکتے۔ سو یہ دوا کی بجائے ہمیں دعا ہی لگتا ہے۔ بلکہ زیڈال کیسٹیں سننے والوں کے لیے بھی ہماری دعا ہے کیسٹیوں پر راگ زیڈال دریافت کرنے والے موسیقار کی

تصویر بھی چھپی ہے۔ یہ موصوف کی اپنی بیوی کے ساتھ اپنی شادی کے دن کی ہے۔ جس میں دونوں کے درمیان ان کا بیٹا کھڑا ہے۔ موسیقار کے بالوں کو بری طرح کٹنگ کی ضرورت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ دیکھ کر کہیں اچھی طرح کٹنگ کی ضرورت ہے۔ ویسے تومعروف صحافی احمد بشیر سے کوئی کہے کہ میں حجامت کروانے جارہا ہوں تو پوچھتے ہیں: "تمہاری شادی نہیں ہوئی؟" شاید اسی لیے آج کل "مبینہ" گلوکار کا سر بالوں سے بال بال بچا ہوا ہے۔ جس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے وہ خود اپنے گانے نہیں سنتا ورنہ اتنا "فارغ البال" کیسے ہوتا؟ اس نے دھنوں کو خوب دھنا ہے اگر آپ تھوڑی دیر کے لیے خوش ہونا چاہتے ہیں تو اس کا گانا سنیں اور اگر زیادہ دیر خوش رہنا چاہتے ہیں تو نہ سنیں۔ بہرحال ہماری طرف سے ان کیسٹوں کی ترکیب استعمال یہ ہے کہ سننے والے گانے کی طرف منہ نہ کریں اور کیسٹ کے گیتوں کو اشفاق احمد کے ڈراموں کی طرح اپنے سر کے اوپر سے گزرنے دیں۔

ooo

- آدم و حوا

صاحب امریکہ میں حوا کی ایک کتاب چھپی ہے جس نے آدم کو ہوا بنا دیا ہے۔ یہ کتاب امریکہ کی مشہور رائٹر سنٹری گارنر کی ہے جس کا نام ہے " وہ سب کچھ جو مرد عورتوں کے بارے میں جانتے ہیں" یہ کتاب 128 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ تمام صفحات خالی اور کورے ہیں۔ عورتوں نے مردوں پر بہت کچھ لکھا مگر ایسی طنز یہ کتاب نہ لکھ سکیں۔ ہم عورتوں کے مخالف ہیں جی ہاں صنف مخالف۔ مگر کوئی پوچھے "یہ کتاب کیسی لگی؟" تو کہیں گے "بڑے زور کی۔"

صاحب! عورتیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ جو اپنے آپ کو اتنی توجہ دیتی ہیں جتنی دینی چاہیے اور دوسری وہ جو آپنے آپ کو اتنی توجہ نہیں دیتیں جتنی دینی چاہیے۔ لیکن گارنر اتنی مختلف ہے وہ دوسروں سے ہی نہیں اپنے آپ سے بھی مختلف ہے۔ منافقت نہیں کرتی جو اس کے اندر ہوتا ہے وہی باہر ہوتا ہے یقین نہ آئے تو اس کا لباس دیکھ لیں۔ وہ فیملی سسٹم کی قائل ہیں علیحدہ گھر لے کر رہنے کی حامی نہیں کہتی ہیں کہ ہم تو میاں بیوی ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔ ہر عورت کو رہنے کے لیے بڑا گھر چاہیے مگر مرد کے گزارے کے لیے ایک ہی کمرہ کافی ہوتا ہے بس وہ گھر سے باہر ہو۔ وہ ترقی یافتہ ملک کی عورت ہے اور امریکی ماہر اقتصادیات جے کے گلبرتھ کے بقول انڈر دویلپڈ ممالک کی عورتیں اوور ڈویلپڈ ہوتی ہیں۔ جن دنوں انہوں نے یہ کہا اداکارہ انجمن امریکہ کے دورے پر تھیں۔ "روح موسیقی کی غذا ہے" مگر گارنر کی طبیعت کو جو ساز بھاتا ہے وہ نا ساز ہے وہ امریکہ کی سب سے زیادہ بکنے والی رائٹر ہیں' ان کی کتابیں بھی بہت بکتی ہیں۔ ایسی کتابیں تو "نمک میں آٹے" کے برابر ہوتی ہیں۔ اس کتاب کی 35,00,000 کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں۔ جو اس طرح فروخت ہو رہی ہیں جیسے ہمارے ہاں کاپیاں فروخت ہوتی ہیں۔ اس کتاب نے ادب میں نئی صنف کا

اضافہ کیا ہے یوں اب اصناف سخن میں صنف نثر صنف نظم' اور صنف نازک اہم اصناف ٹھہریں۔ اگرچہ عورتوں کے لیے پہلے ہی اردو میں الگ صنف سخن موجود ہے کسی نے خاکہ نگار مجتبیٰ حسین سے پوچھا "تم نے صرف مردوں کے سراپے یعنی خاکے لکھے' کیوں؟" مجتبیٰ نے کہا "دوسرے سراپے کے لیے غزل جو موجود ہے۔" اس موضوع پر پہلے ہماری ایک شاعرہ کی کتاب آئی جس پر کسی نے یہ تبصرہ لکھا "کتابت اچھی نہیں ہے مگر کلام سے بہتر ہے۔" بہرحال ہم کہہ سکتے ہیں گارنر کی کتاب میں کتابت کی کوئی غلطی نہیں۔ اس کتاب کو لکھنے میں ایک لفظ بھی نہیں لگا۔ البتہ اس کتاب سے اس کے زمانے کا تعین نہیں ہوسکتا۔ لیکن جیسے یوسفی صاحب نے لکھا کہ قدیم ہندو شاستروں میں عورت کے 404 چلتر بتائے۔ یہ 404 اس لیے لکھے گئے ہیں کہ تب تک گنتی اتنی ہے ہی آتی تھی۔ سو ہو سکتا ہے کوئی عورت کہے کہ یہ کتاب اتنی پرانی ہے کہ یہ تو اس زمانے کی ہے جب ابھی لکھنا شروع نہیں ہوا تھا۔ ہمیں اس کتاب پر دو اعتراض ہیں ایک یہ کہ قابل اعتراض نہیں ہے اور دوسری یہ کہ پتلی بہت ہے۔ حالانکہ امریکیوں کو موٹی کتابیں اور پتلی عورتیں اچھی لگتی ہیں۔ یہ تو اٹلی کا مسولینی ہی تھا جو پتلی عورتوں کو اتنا ناپسند کرتا کہ اس نے ان کی تصویریں بنانے پر پابندی لگادی تھی کہ جو پتلی عورت کی تصویر بنائے گا اسے جیل بھیج دیا جائے گا۔ یہی حال موٹی کتابیں پڑھنے والوں کا کیا جاتا ہے۔

یہ واحد کتاب ہے جسے ہر زبان کا قاری بلکہ بے زبان قاری بھی ترجمے کے بغیر سمجھ سکتا ہے۔ حالانکہ اکثر کتابیں ترجمے کے بعد ہی سمجھ آتی ہیں۔ جیسے ہمارا دل چاہتا ہے عبدالعزیز خالد صاحب کی کتابوں کا روسی' جاپان' انگریزی میں ترجمہ کریں پھر کسی سے ان کا اردو زبان میں ترجمہ کرواکے لوگوں کو پڑھائیں تاکہ انہیں پتہ چلے کہ عبدالعزیز کتنے قادر الکلام شاعر بلکہ عبدالقادر الکلام شاعر ہیں۔ بہرحال اس کتاب سے پہلے ہمیں یہ علم نہ تھا کہ عورت کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ یوں ہمارے علم میں اضافہ ہوا

لیکن جیسے دانشور سارنتیا نے کہا ہے کہ ہمارا ایک غم دوسرے غم کو دعوت دیتا ہے جیسے کل میرا شوہر مرگیا آج میری سوئی گم ہوگئی۔ ایسے ہی ایک لاعملی کا علم لاعملی میں ہی اضافہ کرتا ہے۔ صاحب! عورت کو سمجھنا اتنا مشکل نہیں جتنا سمجھانا۔ مرد چہرے سے جتنے بے وقوف لگتے ہیں اتنے ہوتے ہیں۔ جبکہ عورتیں جتنی بیوقوف ہوتی ہیں اتنی چہرے سے نہیں لگتیں۔ عورت اور عرب بچاس بھی اکٹھے ہوں تو ان میں سے آدھے بول رہے ہوتے ہیں اور باقی آدھے سن نہیں رہے ہوتے۔ عورت کو جب مرد کی سمجھ نہ آئے تو وہ اس سے طلاق لے لیتی ہے اور مرد کو جس عورت کی سمجھ نہ آئے اس سے شادی کر لیتا ہے۔ گارنر کے بقول مرد عورت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا یہ خوبی ہے یا خامی اس کا تو پتہ نہیں۔ یہ پتہ ہے کہ ایک اداکارہ سے کسی صحافی نے پوچھا "آپ کی خوشگوار زندگی کا راز کیا ہے؟" تو اس نے کہا "میرا مرد میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

○○○

- **وبال ٹھاکرے**

سیاستدانوں کو سچ کہنا نہیں چاہیے اور جھوٹ بولنا نہیں چاہیے۔ ہم نے ایک دانشور سے پوچھا کہ "یہ کیسے پتہ چلتا ہے کہ کب کوئی سیاستدان جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔ کہا "بہت آسان ہے، جب وہ چپ ہو" ویسے سیاستدانوں کی باتیں عام لوگوں کی طرح ہمیں بھی سمجھ نہیں آتیں۔ سمجھ میں آجائیں تو وہ پکڑے نہ جائیں لیکن بھارتی انتہا پسند لیڈر بال ٹھاکرے کی ہی بات ہمیں بالکل سمجھ نہیں آتی کہ انتخابات بالکل نہیں ہونے چاہئیں۔ ۔ ۔ ۔ اگرچہ انہیں فرمانے کا بہت شوق ہے، کچھ فرمانے کو نہ ہو تو غسل فرمانے لگتے ہیں۔ دنیا انہیں دھمکی رام" کے طور پہچانتی ہے۔ اگر انہیں کسی کے پاس بیٹھے پانچ منٹ ہوجائیں اور وہ ایک بھی دھمکی نہ دیں تو ان کے پیرو کار فوراً ڈاکٹر کو بلوا لیتے ہیں۔

بال ٹھاکرے صرف نام کے بال ہیں وہ تو جب بچے تھے تب بھی بچے انہیں "دادا" کہتے، کلاس میں چوتھے نمبر پر آتے۔ کہا "میں نے کوشش کی اور پہلے نمبر پر آگیا" صحافی نے پوچھا "کیا کوشش کی؟" کہا"اول، دوم، سوم آنے والے لڑکوں کو سکول سے نکلوادیا۔ "آپ پوچھیں گے وہ مذہبی رہنما کیسے بنے، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شروع ہی سے بزنس مائنڈیڈ تھے۔ مذہبی جنونی ہیں، مذہبی جنونی ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے لیے مذہب کو زیادہ پڑھنا نہیں پڑتا۔ یاد رہے کہ ہمارے مولوی حضرات تو اتنا پڑھتے ہیں کہ ہم چنے کھاتے ہیں وہ "چنے" بھی پڑھتے ہیں۔ بال ٹھاکرے ایسی ہندی بولتے ہیں کہ ان کی گفتگو سننے کے لیے بار بار ڈکشنری اور اسپرو کی ضرورت پڑتی ہے۔

انہوں نے تو ایک بار اردو سکھانے کے لیے ایک ٹیوٹر رکھا جس نے ایک ہی سال بعد اپنے لیے اردو کاایک ٹیوٹر رکھ لیا۔ بال ٹھاکرے ہر کام کا آغاز اختتام سے کرتے ہیں، بھارتی

حکومت کہتی ہے "بچے کم ہونے چاہئیں۔" وہ کہتے ہیں والدین کم ہونے چاہیں۔ پسندیدہ ساز' کینہ ساز' دوسرے پنڈت لوگوں کو بھگوان سے توبہ کرنے کو کہتے ہیں تو لوگ ایک بار بھی توبہ نہیں کہتے۔ جب کہ بال ٹھاکرے کا نام سن کر بھی توبہ توبہ کرنے لگتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔وہ بھارت کو مہا بنانا چاہتا بلکہ انہوں نے "مہا بھارت" کا آغاز کر بھی دیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔مذہبی انتہا پسند لیڈروں کے بارے میں اب ہماری وہی رائے ہے جو ان لیڈروں کی ایک دوسرے کے بارے میں ہے' پہلے بہتر تھی۔ تین مذہبی رہنماؤں کی ایک موقع پر ایک ہی رائے ہو سکتی ہے بشرطیکہ باقی دونوں موقع پر نہ ہوں۔ لیکن مسلمان دشمنی میں تمام مذہبی ہندو راہنما ایک جیسا ہی سوچتے ہیں۔ حالانکہ جب سب ایک جیسا سوچ رہے ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی بھی نہیں سوچ رہا۔ اس دشمنی میں شیو سینا کا سر بے راہ بال ٹھاکرے سب سے دل کھول کر داد لیتا ہے۔ پہلے ہارٹ سرجن ہی دل کھول کر داد لیا کرتا تھا لیکن اس کی تنظیم ایسی ہے کہ بقول ایک مزاح نگار بھارت کا بچہ بچہ جانتا ہے' یہ ایک غیر مقبول تنظیم ہے۔ سنا ہے ایک بار الیکشن میں کھڑی ہوئی تو الیکشن کے دن پہلے ٹائم تو کوئی ووٹ ڈالنے نہ آیا البتہ سیکنڈ ٹائم ووٹ ڈالنے آنے والوں کی تعداد میں کمی آگئی۔ اس پس منظر میں تو ان کی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انتخابات نہیں ہونے چاہئیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسے ہی ایک ہندو پہلوان نے کہا کہ "میں ساری زندگی ایک بھی کشتی نہیں ہارا۔" شاگردوں نے پوچھا" اس کی کیا وجہ تھی؟ کہا "ایک تو یہ کہ میں بہت زور والا پہلوان تھا اور دوسری یہ کہ میں نے کبھی کشتی لڑی ہی نہیں۔ "جوانی میں بال ٹھاکرے کو مقامی سطح کا الیکشن لڑنا پڑا تو کسی نے پوچھا آپ الیکشن میں کامیاب ہو گئے تو کیا کریں گے؟" کہا "یہ پوچھو کہ الیکشن میں کامیاب نہ ہوا تو کیا کروں گا؟" پھر لیڈر بننے کے لیے الیکشن کون سا ضروری ہے۔ بھارتی دانشور سے کسی نے لیڈر اور سیاستدان کا فرق پوچھا بولے' وہ افراد جن کا تعلق میری جماعت سے ہے' وہ لیڈر۔ اور سیاستدانوں سے مراد وہ افراد ہیں جن کا تعلق

آپ کی جماعت سے ہے۔ بہرحال وہاں ٹھاکرے دیوی دیوتاؤں کی پوجا میں زیادہ وقت گزارتے ہیں جن میں کالی دیوی' سری دیوی اور لکشمی دیوی زیادہ اہم ہیں لکشمی دیوی تو ویسے ہی بہت اہم ہے۔ ایک ہندو لیڈر سے کسی نے پوچھا "دولت کیوں لگاتے ہو؟" کہا "سیاست میں نام پیدا کرنے کے لیے۔" پوچھا: "سیاست میں نام کس لیے کماتے ہو؟" کہا: "دولت کمانے کے لیے۔" کہتے ہیں بال ٹھاکرے جیسے لیڈر کو بھگوان ملا' ترس اور پرشاد کھانے کے بعد' کہنے لگا' تین چیزوں میں سے ایک مانگ لو' بے بہا دولت' خوبصورتی یا دانش۔" اس نے دانش لے لی۔ ۔ ۔ ۔ فرشتہ چلا گیا تو لوگوں نے کہا "اب آپ کچھ فرمائیں" تو ادھر ادھر دیکھا اور کہا "مجھے دولت مانگنا چاہیے تھی۔

○○○

- مقبوضہ علامہ اقبال

ہمیں بھارتیوں کی یہی سمجھ آئی ہے کہ انہیں جس کی سمجھ نہ آئے اس کی پوجا کرنے لگتے ہیں اورجس کی سمجھ آجائے اس پر قبضہ کرنے لگتے ہیں اس لیے پچھلے دنوں اقوام متحدہ کے اجلاس میں بھارتی سفیر نے علام اقبال کے شعر سنائے اور انہیں بھارتی شاعر کہا تو ایڈیشنل سیکرٹری خارجہ منیر اکرم صاحب نے احتجاج کیا کہ کشمیر کے بعد بھارت ہمارے قومی شاعر پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر ہمیں اس پر حیرانی نہ ہوئی۔

ہمارے ہاں آج کل اتنی شاعری نہیں ہو رہی جتنے شاعر ہو رہے ہیں لیکن اس مملکت خداداد میں وہی شاعر پیارا ہے جو اللہ کا پیارا ہے یوں ہم اس سے پیار کرنے کے لیے اس کے اللہ کو پیارے ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ہمارے ایک دوست ایک شاعر سے مل کر حیران ہوئے اور کہا "میں تو سمجھا تھا خداا نخواستہ یہ مرچکے ہیں۔"

ہم نے پوچھا "آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں۔" بولا "دراصل میں نے پاک ٹی ہاؤس میں کئی شاعروں کو دیکھا وہ سب ان کی بڑی تعریفیں کررہے تھے۔" علامہ اقبال ان شاعروں میں سے ہیں جو مرتے نہیں لوگ ان پر مرتے ہیں۔ ان کے بغیر تو ہمارا روز مرہ کا گزارا ممکن نہیں وہ حکیم الامت ہیں اسے لیے حکیم ان کے کلام میں نسخوں کو طب نسخے سمجھتے ہیں ہم حکیموں کو نہیں پوچھ سکتے۔ جیسے ٹی وی والوں کو نہیں پوچھ سکتے کہ وہ بڑی عید کے پروگرام میں اداکارہ انجمن کو ہی کیوں بلاتے ہیں۔ خدا جسے دیتا ہے چھپر پھاڑ کر دیتا ہے مگر مسلمانوں کو چھپر پھاڑ کر بھی اتنا ہی دیتا ہے جس سے صرف پھٹے چھپر کی مرمت ہوسکتی ہے مگر علامہ اقبال دے کر اس نے ہمارا اقبال بلند کیا۔ بھارتیوں نے پہلے کبھی علامہ صاحب کو نہ مانا رابندرناتھ ٹیگور کو ہی مانا۔ سنا ہے ٹیگور زیادہ اس لیے پاپولر ہوا کہ وہ شرمیلا تھا اور شرمیلا ٹیگور ہمیں بھی پسند ہے۔ ایک دوست نے

ان کی کتاب "گیتا انجلی" ہمیں دی اور ہفتے بعد پوچھا کتاب کو پڑھا ہے؟" ہم نے کہا "ہم نے تو کچھ بھی نہیں پڑھا۔" بولے "گویا تم نے آدھی کتاب پڑھ لی۔" شاعروں کی زمینوں پر قبضہ کرنے والا ادب کا قبضہ گروپ تو یہاں بھی ہے جس نے میر و غالب کی ہی نہیں اقبال کی زمینیں بھی ہتھیا لیں لیکن لگتا ہے کہ بھارتیوں نے علامہ اقبال کو علاقہ اقبال سمجھا ہے۔ ہمارے آج کے ایک مقبول شاعر جن کی زندگی میں نشیب کم اور فراز زیادہ ہیں۔ فرمایا "میری تو بھارت میں پوجا ہوتی ہے۔" تو ہم نے کہا "یہ کون سی خوبی والی بات ہے وہاں تو بچھڑے کی بھی پوجا ہوتی ہے۔" مگر ہمیں یہ اندازہ نہ تھا کہ بھارت کشمیر کے بعد کشمیریوں پر قبضہ کرنا شروع کر دے گا۔ کشمیر بھارت کا "اٹوٹ انگ" ہے مگر اقوام متحدہ میں یہ کیس اتنی دیر کا ہے کہ اب تو امریکنوں کو بھی اس مسئلے کا پتہ چل گیا ہے کیونکہ امریکہ وہ ملک ہے جس میں لوگوں کو یہ تو پتہ ہوتا ہے کہ سینکڑوں سال پہلے ان کے آباؤ اجداد کس علاقے میں کیا کیا کرتے رہے مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ گذشتہ رات انکے بچے کہاں اور کیا کرتے رہے۔ دیکھتے ہیں اقوام متحدہ ان شعر انگیزیوں کا کیا توڑ کرتی ہے۔

دنیا میں پاکستان کی نظیر اور بینظیر نہیں ملتی۔ جب سے بنا ہے نازک حالات سے گزر رہا ہے نازک حالات نہ ہوں تو ہم پریشان ہوجاتے ہیں کہ نازک حالات سے گزرنا سخت حالات سے گزرنے سے بہرحال آسان ہوتا ہے۔ ہمیں مقبوضہ کشمیر کی فکر کے ساتھ ساتھ مقبوضہ اقبال کی فکر لگ گئی ہے فکر تو نرسمیاراؤ کو بھی ہے مگر وہ تو فکر میں اتنے پریشان ہوجاتے ہیں کہ انہیں یاد نہیں رہتا کہ فکر کیا ہے؟ قوت فیصلہ تو نرسیماراؤ کی ایسی ہے کہ دہلی میں مشہور ہے جب وہ کسی اجلاس میں شرکت کے لیے جائیں اور ان سے پوچھا جائے کہ آپ چائے پیئں گے یا کافی تو اجلاس کے خاتمے تک وہ دونوں میں کسی ایک کا انتخاب نہیں کر سکتے۔ میز پر دونوں لگانا پڑتی ہے۔ خوشونت سنگھ کہتے ہیں راؤ چونکہ بارہ زبانیں جانتے ہیں اس لیے وہ بار بار ہر زبان میں ہر سوال پر غور کرتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں ان کی قوت فیصلہ کمزور ہے۔ بہرحال ہمارے قومی شاعر

پر قبضہ کرنے کی اس حرکت پر ہم نرسمیاراؤ کو مولانا اختر علی مرحوم صاحب کی طرح دھمکی دیتے ہیں۔ مولانا اختر علی مرحوم وزیر اعظم ایٹلی سے ملے اور کہا "دیکھیے جناب مسئلہ کشمیر فوراً حل کرا دیجئے ہاں! ایک مہینے کی مہلت دیتا ہوں ورنہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" ایٹلی کی سٹی گم ہو گی پوچھا "ورنہ کیا؟" مولانا بولے ورنہ۔ ۔ ۔ ۔آپ کے خلاف زمیندار میں اداریہ لکھوں گا۔"

○○○

• محترمہ گلوکاری صاحبہ

ہمیں اتنا تو پتہ تھا کہ عطاء اللہ عیسٰی خیلوی صاحب نے اتنی شادیاں نہیں کی جتنی طلاقیں دی ہیں کہ وہ تو طلاق بھی یوں دیتے ہیں جیسے دعا دے رہے ہوں۔ ایک بار ایک دوست ان کی نئی بیوی کے لیے بازار سے تحفہ لینے گیا دکان پر بڑا رش تھا' دیر ہوگئی تو اس نے آکر سب سے پہلے پوچھا' لالہ ابھی تک بھابھی وہی ہے ناں' لیکن ہمیں یہ خیال تک نہ تھا کہ وہ ایک دن محترمہ گلوکاری کو بھی طلاق دے دیں گے۔ پچھلے دنوں میڈم نور جہاں نے یہ انکشاف کیا کہ صرف دو آدمی ہیں انہیں گلوکاری سے عشق ہے ایک میں اور ایک عطاء اللہ عیسٰی خیلوی۔ ہمارے لیے یہ بڑا انکشاف تھا کیونکہ ہم اس سے پہلے میڈم کوآدمی نہیں عورت سمجھتے تھے' بہرحال گلوکاروں میں صرف عطاء کو میڈم نے آدمی مانا جو بڑی بات ہے۔ اگرچہ عطاء کا جو گانا سن کر نکلے وہ یہ کہتا ہے یہ اللہ کی عطا ہے۔ ہم نے ہمیشہ اسے اللہ کا عطا ہی کہا' بہرحال یہ آج پتہ چلا کہ گلوکاری ان کی محبوبہ نہیں زوجہ تھی۔ حالانکہ آج بھی کسی کی محبوبہ بھاگ جاتی ہے تو وہ تھانے میں رپٹ بعد میں درج کراتا ہے' عطاء کی کیسٹیں پہلے خریدتا ہے۔ اس کی کیسٹوں کے بکنے کی تعداد سے ملک میں ناکام عاشقوں کی مردم شماری بلکہ نامردم شماری کی جاسکتی ہے۔

عطاء کو پاکستان کا بچہ بچہ بلکہ بچی بچی جانتی ہے' وہ اس قدر سچا ہے کہ جس سے پانچ منٹ کے لیے بھی عشق کیا سچا کیا' حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس کا ہر جاننے والا اس کے عشق کی ایک نئی کہانی سنائے گا اور اس سے حیرانی کی بات یہ ہے کہ یہ کہانی سچ بھی ہوگی۔ نوجوانی میں اپنے محلے میں پورا ہفتہ جو کرتا محلے کا مولوی جمعہ کے خطبے میں وہ سب کچھ سب کو بتا دیتا۔ جس سے یہ پتہ چلتا نہ چلتا کہ عطا کیا کرتا ہے' یہ ضرور پتہ چل جاتا کہ مولوی پورا ہفتہ کیا کرتا ہے۔ اس قدر ست ہوتا کہ

محلے میں ایک سبزی بیچنے والی تھی۔ ایک دن اس سے سبزی لینے گیا اس وقت خاتون کا بیٹا دوسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ جب یہ سبزی لے کر واپس آیا تو وہ لڑکا چوتھی جماعت میں تھی۔ عطاء ایک سیلف میڈ آدمی ہے' جن دنوں وہ آرا مشین چلاتا تھا لوگوں کی آرا کے مطابق ان دنوں دو ہی مشہور چیزیں تھیں عطاء اللہ کا آرا اور شمیم آراء۔ فیصل آباد میں ڈرائیونگ بھی کی' ایسا ڈرائیور تھا جو تین پہیوں پر گاڑی چلا سکتا یعنی رکشا ڈرائیور تھا۔ بہت محتاط ڈرائیونگ کرتا ایک بار اس کا ساتھی ڈرائیور بہت تیز چلا رہا تھا تو اس نے کہا اپنی گاڑی میری دعاؤں سے تیز نہ چلاؤ' تو ساتھی بولا: لالہ میں خود بڑا محتاط ہوں کیونکہ میرے دس چھوٹے چھوٹے بچے ہیں' تو عطا نے کہا پھر بھی کہتے ہو کہ تم محتاط ہو۔ عطا نے اتنے حادثے سڑک پر نہیں کیے جتنے گھر میں کیے ہیں اور ہر بار محترمہ گلوکاری نے ہی اسے بچایا۔ عطاء کو محترمہ گلوکاری سے اس قدر عشق ہے کہ وہ تو عورتوں سے بھری محفل میں آنکھیں بند کرکے گاتا ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی کوشش کی' چند ایک ایسی محفلوں میں ایک آنکھ بند کرنے تک آ گئے ہیں' دیکھتے ہیں ان کی دنوں آنکھیں کب بند ہوتی ہیں۔ بہرحال عطاء کی ریٹائرمنٹ کے بعد گلوکاری میں جو خلا پیدا ہو رہا ہے سنا ہے اسے پر کرنے کے لیے استاد روشنی خان نے ابھی سے کوششیں شروع کردی ہیں۔ یقین نہ آئے تو ہر صبح ان کے ہمسایوں کی سوجھی آنکھیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ لیکن لوگوں کی رائے ہے کہ ان سے تو سمال سائز کا عوامی سوٹ پر نہیں ہوتا۔ یہ خلا کیسے پر ہوسکتا ہے۔ سو ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ کہیں نصرت فتح علی خان اور عابدہ پروین صاحبہ نے ریٹائر کا اعلان نہیں کیا' ورنہ ان کے جانے کے بعد جو خلا پیدا ہوتا وہ کیسے پر ہوتا کیونکہ عابدہ پروین اور نصرت فتح علی خان ایسے گلوکار ہیں جو بڑی دیر کے بعد پیدا ہوتے ہیں' بندہ انہیں دیکھ لے تو اس دیر کی وجہ سمجھ میں آجاتی ہے۔

عطاء میانوالی کی آواز ہے اور اس کی آواز میں میاں والی بلکہ کئی میاں والیاں ہیں۔ وہ

تو فیض احمد فیض کی غزل گا رہا ہو تو بندے کو یقین ہو جاتا ہے فیض احمد فیض سرائیکی شاعر ہیں۔ وہ دل لگا کر گاتا ہے یعنی پہلے دل لگاتا ہے پھر گاتا ہے' سانس بھی سر میں لیتا ہے۔ ساری رات وہ اور سر ایک دوسرے کو جگاتے رہتے ہیں۔ عطاء رات بغیر سوئے تو گزار سکتا ہے مگر بغیر جاگے نہیں' جتنی راتیں وہ جاگا ہے اتنے تو ہم دن نہیں جاگے وہ اپنے سننے کے لیے گاتا ہے یوں اس کے گلوکاری سے ریٹائر ہونے کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ فرنیک کو نکلن نے کہا' زندگی ختم کرنے کے جتنے بھی طریقے ہیں ان میں سے سب سے آسان ریٹائرمنٹ ہے۔ منور علی ملک نے عطاء پر ایک کتاب لکھی اور کہا یہ تین طرح سے پہلی کتاب ہے عطاء پر پہلی کتاب' میری پہلی کتاب اور برصغیر میں کسی گلوکار پر پہلی کتاب' واقعی پڑھنے کے بعد یہ پہلی کتاب ہی لگتی ہے۔ اس میں انہوں نے عطاء کو درد کا سفیر کہا ہے سو ہوسکتا ہے عطاء نے اس سفارت سے ریٹائرمنٹ لی ہو لیکن انہوں نے یہ اعلان "پرائڈ آف پرفارمنس" ملنے کی تقریب پذیرائی میں کیا' جس سے لگتا ہے انہوں نے یہ ایوارڈ ملنے پر دلبر داشتہ ہو کر یہ قدم اٹھایا ہے' کیونکہ جب سے امجد حسین کو "پرائڈ آف پرفارمنس" ملا ہے کئی گلوکاروں نے گانا چھوڑ دیا ہے' ایک سے ہم نے پوچھا کیا آپ نے "اس لیے گانا چھوڑا کہ "آپ کو پرائڈ آف پرفارمنس" نہیں ملا؟" تو اس نے کہا "نہیں اس لیے گانا چھوڑ دیا ہے کہیں حکومت مجھے بھی پرائڈ آف پرفارمنس" نہ دے دے۔"